خیالوں کا سفر

(شعری مجموعہ)

اسرار نسیمی

ترتیب و تزئین

بلال راز

خیالوں کا سفر

(شعری مجموعہ)

اسرار نسیمی

ترتیب وتزئین

بلال راز

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

Khayalon Ka Safar

by

Asrar Naseemi

Year of Edition 2019
ISBN 978-93-89358-84-1

₹ 150/-

نام کتاب : خیالوں کا سفر
شاعروناشر : اسرار نسیمی
پتا : ۱۰۲-A کنگھی ٹولہ، قلعہ، بریلی (یو. پی) ۲۴۳۰۰۳-انڈیا
Mob:8979473838-9412360761
ترتیب وتزئین : بلال راز
کمپوزنگ : مینائی گرافکس، تارین جلال نگر شاہجہاں پور Mob:9335997763
تعداد : چارسو (۴۰۰) قیمت : ۱۵۰ روپے
سنہ اشاعت : ۲۰۱۹ء
مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی-۶

-: ملنے کے پتے :-

۱- نازویلفئر سوسائٹی، کنگھی ٹولہ، قلعہ، بریلی (یو. پی)
۲- دفترحبِّ وطن- رہپورہ چودھری، عزّت نگر- بریلی (یو. پی)
۳- بلال راز، کانکرٹولہ، شہرکہنہ، بریلی (یو. پی)

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.o. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 45678285, 45678286, 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

یہ کتاب

فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی، حکومت اتر پردیش لکھنؤ

کے

مالی تعاون سے شائع ہوئی۔

انتساب

دنیائے ادب کے اُن تمام قلم کاروں کے نام

جنہوں نے اردو ادب کے فروغ کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

مشہور و معروف ادبی و سماجی و باغ و بہار شخصیت

عزّت مآب عالیجناب ایم حسین ہاشمی صاحب

کی نذر

جن کے دم سے بریلی کی ادبی محفلوں کو وقار حاصل ہے۔

اے کاش کہ بن جائے اُجالوں کا سفر
اسؔرار نسیمی کے خیالوں کا سفر
اللہ کرے جا کے ملے منزل سے
یہ مجموعہ پڑھنے والوں کا سفر

☆☆☆

نازؔ پرتاپ گڑھی

نمبر شمار	عنوان		صفحہ نمبر

سوانحی کوائف

نام	محمد اسرار خاں
ادبی شناخت	اسرار نسیمی
تاریخ پیدائش	یکم اکتوبر ۱۹۵۶ء
جائے پیدائش	رہ پورہ چودھری، عزت نگر، بریلی (یو. پی)
موجودہ پتا	۱۲۰ کنگھی ٹولہ، قلعہ، بریلی ۲۴۳۰۰۳ (یو. پی) انڈیا
	Mob:8979473838-9412360761
تعلیم	ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی
آغاز شاعری	۱۹۹۰

مطبوعات

1۔لفظوں کی روشنی (شعری مجموعہ) 2005

2۔یا نبی (نعتیہ مجموعہ) 2008

3.عقیدت کے چراغ (مجموعۂ مناقب) 2015

4۔گلدستۂ نعت (نعتیہ مجموعہ) 2017

5۔خیالوں کا سفر (زیرِ نظر مجموعہ) 2019

پیار خوشبو کی طرح اپنا پتہ دیتا ھے

تقریباً تیس سال سے وادیٔ شعر وسخن میں سرگرداں اسؔرار نسیمی شاعری، زندگی، عشق اور دنیا کے بہت سے حقائق سے نہ صرف آشنا ہو چکے ہیں بلکہ انہوں نے اپنے مشاہدوں، تجربوں کو شعری پیکر میں ڈھالنے کا ہنر بھی سیکھ لیا ہے ساتھ ہی انہوں نے اپنی دلی کیفیات کا اظہار بھی غزل کی صالح روایات اور زبان و بیان کی پاسداری کے ساتھ بہت خوبصورتی سے کیا ہے۔ اسؔرار نسیمی معاشرے میں رواج پا جانے والی سبھی باتوں کے خلاف احتجاج کو بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں، اپنی ملازمت اور گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ شعر و ادب سے اپنی وابستگی کو برقرار رکھنا بلاشبہ بہت مشکل کام ہے لیکن انہوں نے اِسے آسان بھی بتایا ہے اور خوشگوار بھی۔ اپنے طویل شعری سفر میں وہ حتی الامکان شعری محفلوں میں بھی اپنی موجودگی درج کراتے رہتے ہیں اور ملک کے مختلف خطّوں سے شائع ہونے والے اخبار و رسائل میں اپنی شعری تخلیقات کی اشاعت کے ذریعہ بھی اہل ذوق سے ہم کلامی کی ذمہ داری تواتر کے ساتھ نبھاتے رہتے ہیں۔ ان کا ایک شعر ہے ؎

تو ہوئی ہے نہ ہوگی پرانی غزل
تجھ پہ ہر دم رہے گی جوانی غزل

مذکورہ بالا شعر میں اسرار نسیمی نے صرف یہ دعویٰ ہی نہیں کیا ہے بلکہ اپنے فکر و فن کے کئی شاندار نمونے پیش کر کے اس سچائی کو ثابت کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی ہے یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ غزل کو نیا اور جوان رکھنے کے لیے جو قلم کار دیانت داری اور حوصلے کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں اُن میں ایک نام اسؔرار نسیمی کا بھی ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے شعری سفر میں تخلیقات کے ڈھیر لگا دینے کو غیر ضروری تصور کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اس

حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ محض کتابوں کی تعداد بڑھانے سے خوش فہمی کے علاوہ کچھ حاصل ہونے والا نہیں جب تک کہ کوئی تخلیق دلوں کو چھونے والی تاثیر سے مالا مال نہ ہو۔ اردو شاعری کی تاریخ شاہد ہے کہ بعض شعرا اپنے چند اشعار کی وجہ سے آج تک زندہ ہیں اور بعض تو کسی ایک شعر کے حوالے سے ہی شعری افق پر چمک رہے ہیں۔ اسؔرار نسیمی چونکہ اردو کے شعری منظر نامہ پر نظر رکھتے ہیں اس لیے اُن کا یہ شعر نئے قلم کاروں کے لیے ایک بہت نیک اور مفید مشورے سے تعبیر کیے جانے کے لائق ٹھہرتا ہے ؎

فائدہ کیا ہے اگر کہہ لیے اشعار بہت
پُر ہوں مقصد سے تو اسؔرار ہیں دو چار بہت

یہاں ''پُر ہوں مقصد سے'' پُر کلام ہو سکتا ہے کہ ہر اچھے شعر کے پسِ پشت یہ ضروری نہیں کہ شاعر کا کوئی مقصد یا مشن رہا ہو۔ ترقی پسند تحریک سے الگ ہٹ کر بات کریں تو زیادہ تر وہ اشعار حیاتِ جاوداں پانے میں کامیاب ہوتے ہیں جن میں کسی دلی کیفیات، کسی احساس یا کسی جذبے کا برملا اور برجستہ اظہار الفاظ و بیان کی ندرت، لہجے کی تازگی اور سلاست و روانی کے ساتھ کیا گیا ہو۔ ایسے دو چار اشعار بھی اگر کوئی شاعر کہنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اِسی پیغام کو اسؔرار نسیمی اپنے شعر کے ذریعہ ہم تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

سچا فنکار بہت حساس ہوتا ہے اور حقیقت پسند بھی۔ وہ خوابوں کی دنیا میں رہ کر بھی حقائق سے نظر نہیں چراتا۔ اسؔرار بھی چونکہ اسی قبیلے کے فرد ہیں لہٰذا خداوند کریم نے اُن کے دل کو بھی گداز کی دولت سے سرفراز کیا ہے جس کی ایک مثال اُن کا یہ خوبصورت شعر ہے ؎

تم نظر سے بھی گراؤ گے تو مر جاؤں گا
تم کو تلوار اُٹھانے کی ضرورت کیا ہے

بلاشبہ کسی کی نظر سے گر جانے کا دکھ کسی بھی غیرت مند اور حساس انسان کے لیے ناقابلِ برداشت ہوتا ہے۔

انسان زندگی کے تلخ وشیریں حقائق، سماجی وسیاسی تغیرات، مفاد پرستی، خودغرضی، اورنمود ونمائش کے ہاتھوں پائمال ہوتے ہوئے رشتوں کا کرب اُن کی شاعری میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ اِس کے علاوہ بزرگوں کے لیے احترام کا جذبہ عصرِ حاضر میں مشاعروں کے نام پر شعروادب کے ساتھ ظالمانہ سلوک یہ سب اسرار نسیمی کی شاعری کے موضوعات ہیں۔ میں ان کے چند اشعار کے ذریعہ اِس کی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔

دِل کے برعکس چلنا پڑتا ہے
نام اس کا ہی دنیا داری ہے

☆

گلے ملنے کی رسمیں بڑھ رہی ہیں
مگر دل دور ہوتے جا رہے ہیں

☆

زندگانی سکوں سے گزرے گی
خواہشیں اپنی مختصر رکھیے

☆

سدا تحریر میں محتاط رہنا
قلم کو اپنے بازاری نہ کرنا

☆

مبتلا جب مرض میں ہوتا ہوں
بے تحاشہ مشیر ملتے ہیں

☆

سماعت کو سخن فہموں کی اب اسرآر کیا کہیے
ترنم دیکھتے ہیں شاعری دیکھی نہیں جاتی

پیار خوشبو کی طرح اپنا پتہ دیتا ہے
ساری دنیا سے یہ اسرار چھپائیں کیسے

☆

ترے غم کے صدقے کہ سارے غموں سے
مری جان پہچان سی ہوگئی ہے

اسرار نسیمی کا ایک اور شعر میری توجہ کا مرکز بنا جو کہ اُن کے سینے میں موجود عشق حقیقی اورعشق مجازی دونوں کا آئینہ دار ہے۔ عشق تو زندگی کا سب سے قیمتی زیور ہے، اِس کے بغیر شاعری کا تصور بھی محال ہے، اِس کی مختلف کیفیتوں میں سے ایک کیفیت یہ بھی ہے جسے اسرار نسیمی نے بہت ہُنر مندی کے ساتھ شعر کا لباس پہنایا ہے۔

کسی جانب نظر آئے نہ آئے
ہر اِک جانب مگر بس تو ہی تو ہے

دردمندی، ایمانداری، اصول پسندی اور خلوص ومحبت وہ بنیادی عناصر ہیں جو اُن کی شاعری کو قابلِ لحاظ اور قابلِ توجہ بناتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اُن کے بھی دو چار اشعار اُن کی مقبولیت اور شناخت کا باعث ضرور ٹھہریں۔

☆

عقیل نعمانی
میر گنج۔ بریلی

دائرۂ انسانیت کا معتبر شاعر
اسرؔار نسیمی

مت سہل ہمیں جانو! پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

خدائے سخن اور شہنشاہِ غزل حضرت میر محمد تقی میؔر مرحوم نے اپنے اس مندرجہ بالا شعر میں کس عمدہ پیرائے سے 'انسان' ہونے کی بات کہی ہے۔اس رنگا رنگ دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام سے نسبت رکھنے والی مخلوق کو 'آدمی' کہا جاتا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ مشاہداتی طور پر بعض آدمیوں میں ''آدمیت'' تلاش کرنا پڑتی ہے۔مگر جب آدمی اپنی سطح سے بلند ہوتا ہے تو 'انسان' بن جاتا ہے۔اور جب انسان بن جاتا ہے تو وہ اپنے اندر ایسی خوبیاں پیدا کرتا ہے جن کی بدولت وہ زندہ و پائندہ ہو جاتا ہے۔اخلاق و مروّت، ایثار و فدا کاری، اُخوت و ملنساری جیسی اعلیٰ صفات اُس میں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ 'انسان' ہی عظیم صاحب فن ہوتا ہے یعنی شاعر بھی، ادیب بھی، صحافی بھی اور نہ جانے کتنی خوبیاں اُس کی ذات کا صفاتی حصہ بن جاتی ہیں۔جن کی بدولت اُس کا ہر فعل انسانی برادری کے لیے ہوتا ہے۔ادبی و شعری دنیا کے ایسے ہی ایک 'انسان' محترم اسرؔار نسیمی ہیں۔

اسرؔار صاحب کی پہلی انسانی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اپنی شاعری کے اُستاد محترم نسؔیم شاہجہاں پوری صاحب کی نسبت کو اپنے نام کا جزوِ لازم قرار دے لیا ہے۔یعنی ''اسرؔار نسیمی''۔اِس ''یائے نسبتی'' نے بریلی کے حلقۂ ادب میں آپ کو ممتاز کر دیا ہے یعنی بریلی میں اور بھی اسرار ہوں گے مگر؟ یہ اسرار ''نسؔیم والا اسرؔار'' ہے۔یہ بھی انسانیت اور شرافت کی دلیل ہے ورنہ اِس ادب و ادیب نا آشنا دور میں لوگ اپنے اُستاد سے فیض حاصل کرنے کے بعد

بھی اُس کا تذکرہ اس لیے پسند نہیں کرتے کہ توہین محسوس کرتے ہیں۔یہ محترم اسرؔار صاحب کی عظیم لائقی ہے کہ موصوف نے اپنے اُستاد محترم کے نام نامی واسمِ گرامی کو اپنے نام کا جزو قرار دے لیا ہے۔موصوف کا یہ عمل والدین حضرات کی اعلا وارفع تربیت کا نتیجہ ہے۔

احقر، موصوف سے واقف نہیں ہے۔ایک انسان اور عظیم شخصیت کے مالک، ادیب وشاعر محترم ڈاکٹر الف ناظم صاحب کے مشفقانہ ومحبتانہ ومخلصانہ حکم پر احقر نے سوچا کہ ایک عظیم شخص اگر کسی کی تعریف کرے تو یقیناً وہ جناب بھی لائق تعریف ہیں۔بس یہی سوچ کر احقر نے قلم اُٹھایا اور اسرار صاحب کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کرنے لگا۔محترم اسرؔار صاحب بنیادی طور پر مذہبی شاعر ہیں اس لیے موصوف کے دو نعتیہ مجموعے ''یا نبی''، ''گلدستۂ نعت'' اور ایک منقبتی مجموعہ ''عقیدت کے چراغ'' منظر عام پر آچکے ہیں۔یہ شعری تخلیقات آپ کی انسانی زندگی کی عکاس ہیں۔

محترم اسرار نسیمی کے دادا ابّا محترم عبدالرسول خاں مؔحو خاصا شعری ذوق رکھتے تھے اور محکمۂ بیسک تعلیم کے ہیڈ مدرس تھے، والد ماجد محترم الحاج محمد جمیل خاں رضوی صاحب ایک اچھے نعت گو شاعر ہفت روزہ ''حبِّ وطن'' بریلی کے مدیر اور محکمۂ بیسک تعلیم کے سابق ہیڈ مدرس تھے۔اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ذوقِ شعر وشاعری موصوف نے ورثے میں پایا ہے۔ایک ہی شخص جو ایک ہی وقت میں مخلص انسان، با اخلاق مسلمان، ہمدردِ قوم، محبّ وطن، بافکر شاعر، دیانتدار صحافی، باعلم و باشعور ناظمِ مشاعرہ، ایک حقیقی معلم، آبروے وکالت وکیل ہو اُس کی شخصیت کا کیا کہنا۔اِن گونا گوں صفات سے متصف شخص کو اگر قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے، اُس کا احترام کیا جائے، اس کے فن کو سراہا جائے تو یقیناً یہ علم وفن، زبان وادب اور سخن وری کے ساتھ دیانت داری ہے۔سچائی کا یہ وہ جادو ہے جو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔اس سے زیادہ شرافت کی بات اور کیا ہوگی کہ محمد اسرار خاں ''اسرؔار نسیمی'' کے نسبتی نام سے مشہور ہو گئے۔

موصوف نے 15/جنوری 2019ء کے خط میں محترم ڈاکٹر الف ناظم صاحب کو

تحریر کیا تھا:

''قلم کار تو ہمیشہ نہیں رہتا مگر اُس کے کارنامے زندہ رہتے ہیں۔''

دنیا کی یہ بڑی سچائی ہے۔ بہ شرطے کہ اہلِ قلم کی کاوشیں منظرِ عام پر آ جائیں۔ احقر کا مشاہدہ ہے کہ بعض اہلِ فن اِس لیے گم نام ہو گئے کہ اُن کی ادبی و علمی کاوشات منظرِ عام پر نہ آ سکیں۔ یہ بھی مشاہدہ ہے کہ بعض اہلِ فن کا استحصال ہوا اِس لیے بے نام و نشان رہ گئے۔ کیوں کہ اِس مکّار و پُر فریب دنیا میں ایسے شہرت یافتہ ادیب بھی ہیں جن کے چراغ میں (مانگے کا نہیں) چھین جھپٹ کا اُجالا ہے۔ ادب کے ایسے شاعرانہ ماحول میں محترم اسؔرار نسیمی جیسے مخلص صاحبانِ علم و فن کی تخلیقات کا منظرِ عام پر آنا بہت ضروری ہے۔

محترم اسؔرار نسیمی کی خدمت میں مبارک باد کہ (ناگری) ہندی سہ ماہی ''گفت گو'' الہ آباد میں ''نمبر'' شائع ہو گیا ہے۔ ماہ نامہ ''ادبی محاذ'' اُڑیسہ کے شمارے میں گوشوارہ شائع ہوا ہے۔

اسؔرار صاحب کی شاعری بہ عنوان غزل گل و بلبل وغیرہ تک ہی محدود نہیں ہے بل کہ انسانی سماج کی جو برائیاں ہیں اُنہیں اُجاگر کرتی ہے۔ جھوٹ، بد اخلاقی، بد تہذیبی، فریب کاری، والدین کی نافرمانی و ایذا رسانی، احساسِ برتری، انا پرستی، خود غرضی، احسان فراموشی، تہذیب و اخلاقی قدروں کا پامال ہونا جیسے عنوانات پر آپ کے اشعار انگُشت لگاتے ہیں۔ ایک با اخلاق انسان ہی ان تمام اخلاقی برائیوں پر نظر رکھ کر اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں بہ طورِ مثال موصوف کے بعض اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں۔

یہ ہم نے مانا کہ تم خوبیوں کے مالک ہو
مگر کسی کو جتانے سے فائدہ کیا ہے

☆

جو شاعر آج درباری بہت ہے
اُسی کی ناز برداری بہت ہے

☆

ہم مدد کے واسطے کیوں غیر کو دیکھا کریں
بہتے پانی کی طرح خود راستہ پیدا کریں

☆

زخمِ دل سب کو دکھانے کی ضرورت کیا ہے
اپنا معیار گرانے کی ضرورت کیا ہے

☆

سماعت کو سخن فہموں کی اب اسؔرار کیا کہیے
ترنّم دیکھتے ہیں شاعری دیکھی نہیں جاتی!

☆

سدا تحریر میں محتاط رہنا
قلم کو اپنے بازاری نہ کرنا

☆

دو کنارے کس طرح اسؔرار آپس میں ملیں
ہم ہیں خودداری پہ اپنی اور وہ مغرور ہے

☆

کاش! محفوظ رہے ذوقِ قناعت اپنا
ہم کو جو مل گیا بس! اُس کو مقدر سمجھا

یہ مندرجہ بالا آٹھ اور ان جیسے دیگر اشعار کا مطالعہ آپ کی صاف و شفّاف فکر کو واضح کرتے ہیں۔ ہر شعر میں جناب نے کوئی نہ کوئی پیغام دیا ہے۔ اگر ان آٹھ اشعار کو ہی غور سے پڑھیں تو ہر شعر آدمی کے لیے ''مشعلِ راہ'' ہے۔ ہر پیغام ذہنِ بشر کو بے دار کرتا ہے، جھن جھوڑتا ہے۔ بہتر سے بہتر زندگی گزارنے پر آمادہ کرتا ہے۔ پہلے شعر میں ریاکاری، جذبۂ نام و نمود، غلط فکر اور اوچھے پن کی در پردہ مذمت ہے۔ دوسرے شعر میں اُن افراد کی

مذمت ہے جو غیر معیاری شاعر کو شاعر بنا کر، سمجھ کر اُس کو سراہتے ہیں۔ معاشرے کے اُن افراد پر خوب طنز ہے جو بہ نامِ شاعری اصل اور نقل میں تمیز نہیں کر پاتے۔ تیسرے شعر میں خودداری جیسی عظیم صفت سے متّصف ہونے اور اُس سے وابستہ رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ چوتھا شعر بھی خودداری کی دعوت دے رہا ہے۔ پانچ ویں شعر میں موجودہ شاعری کے حالات پر سیدھا تبصرہ ہے۔ چھٹے شعر میں جناب نے تمام اہلِ قلم کو یہی پیغام دیا ہے کہ حالات کیسے ہی مشکل ہوں قلم کی ’’آبرو‘‘ باقی رہنا چاہیے۔ اس موقعے پر احقر، راقم الحروف کو اپنے استادِ محترم تاج دارِ سخن سید اخلاق حسین حضرت واصف عابدی سہارن پوری مرحوم کا شعر یاد آ گیا۔ مرحوم فرماتے ہیں:

قلم کو بیچ کر تاریخ کا حلیہ بگاڑے گا
مورّخ کو نہیں اپنے قلم کی آبرو پیاری

ساتویں شعر میں خودداری کا پیغام ہے اور آٹھویں شعر میں ’’قناعت‘‘ کا درس دیا ہے۔ عظیم مرتبے پر فائز ہے وہ مسلمان جو قناعت پسند ہو، کیوں کہ ’’قناعت پسندی‘‘ میں ہی دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ اسی طرح سے آپ کے تمام اشعار کی وضاحت کی جاسکتی ہے مگر وہ تضیعِ اوقات میں شمار ہو جائے گی۔ آپ کی شخصیت، سیرت اور فن کو سمجھنے کے لیے بس مندرجہ بالا وضاحت وصراحت ہی کافی ہے۔

☆☆☆

انیس احمد حسینی انیسؔ میرٹھی

۲۲؍جنوری ۲۰۱۹ء۔ بہ روز سہ شنبہ

اسؔرار نسیمی کے اسرارِ شاعری

مجھے اسؔرارنسیمی کی شاعری پر اظہارِ خیال کرنا ہے۔ میرے سامنے نہ تو الطاف حسین حالی کے ذریعہ مغرب سے مستعار اصول ہیں جن کی کسوٹی پر میں غزل کو بے وقت کی راگنی قرار دے سکوں، نہ ترقی پسندوں کا مینوفیسٹو ہے کہ میں کسی فن میں کسی فن پارے کی قدرو قیمت کا تعین کرنے کے لیے اس میں مزدوروں کے پسینے کی بوندوں کو معیار بناؤں اور نہ جدیدت کا وہ سخت گیر رویہ ہے جس کے تحت ابہام اور علامتوں کی نشاندہی کر کے سمجھ میں نہ آنے والی شاعری کو اعلیٰ قرار دے سکوں اور نہ مابعد جدید تخلیقی رویوں کے پیش نظر تکثیریت کے فلسفے اور ساختیات کی نئی لہر دریافت کرنے کی کوئی مجبوری ہے۔ میرے سامنے ایک ایسے فنکار کا کلام ہے۔ جس نے ان تمام رجحانات سے مبرا ہوکر براہِ راست زندگی کے مسائل سے تخلیقی معاملہ کیا ہے اور اپنے تجربات ومشاہدات کو بے کم وکاست الفاظ میں سمویا ہے جو کبھی ہمیں غموں کی دھوپ میں تپ کر نکھرنے کا حوصلہ دیتے ہیں، کبھی آمدِ فصل بہاراں کی بشارت دے کر امید کی کلیاں کھلاتے ہیں اور کبھی رومانی اور جمالیاتی فضا تعمیر کر کے جلوۂ جاناں کی تصویر کشی کے ذریعہ اپنے احساس جمال کی ترجمانی کرتے ہیں۔

جہاں میں زندگی کا راز ہم نے اِس قدر جانا
غموں کی دھوپ میں دن رات تپنا اور نکھر جانا

☆

پیڑ سے ٹوٹ کے گرتے ہوئے پیلے پتے
آمد فصل بہاراں کا پتہ دیتے ہیں

☆

جب تک نہ اُس کا چاند سا چہرہ دکھائی دے
شیرازۂ حیات بکھرتا دکھائی دے

☆

اِدھر اسرار مشتاقِ نظارہ
اُدھر بیزار وہ ذوقِ نظر سے

اب اس قسم کی شاعری پر کوئی بھلا کیا لیبل چسپاں کرے گا۔ یہ اشعار نہ تو کسی ازم کی پیداوار ہیں اور نہ کسی رجحان یا رویے کے پابند، اور نہ یہ مابعد جدید تکثیری فلسفے کی بوقلمونی کا اشتہار ہیں۔ بلکہ ان کی جڑیں اسی معاشرے میں پیوست ہیں جس میں شاعر سانس لیتا ہے، اس لیے ان میں جو قدریں ہیں یا ان کے زوال کی جو صورتیں ہیں اور جو مسائل ہیں وہ اسی معاشرے کی پیداوار ہیں۔ کوئی بھی شاعر عصری آگہی سے روگردانی نہیں کر سکتا لیکن اگر وہ اسے کسی مخصوص چشمے سے دیکھتا ہے تو محض ایک ہی پہلو پیش نظر رہے گا، اس میں تنوع اور رنگارنگی کے امکانات کم سے کم ہو جاتے ہیں۔

اسرار بھائی سے تقریباً بیس برس پہلے ملاقات ہوئی تھی، رفتہ رفتہ یہ قربت بڑے بھائی کے درجے تک پہنچ چکی ہے لیکن میں انہیں خیر اندیش ہی نہیں ایک بے لوث اور مخلص دوست کے ساتھ ساتھ اپنا ادبی سرپرست بھی تصور کرتا ہوں۔ اس دوران میں نے انہیں ریڈیو پر سنا، ٹی.وی پر دیکھا اور اُن کی نظامت میں کامیاب مشاعروں سے لطف اندوز ہونے کے مواقع بھی میسر آئے۔ کلاسیکی ترنم میں ان کے پڑھنے اور مشاعروں میں شاعر کو آواز دینے کے انداز کو میں نے ہمیشہ رشک کی نظروں سے دیکھا ہے۔ ان کی سادگی، منکسر المزاجی اور اپنائیت نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ دور میری طالب علمی کا تھا۔ بعد میں جب میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دہلی گیا تو میں سمجھا کہ اب سلسلہ منقطع ہو گیا ہے لیکن اسرار بھائی نے ایسا ہونے نہ دیا۔ اسرار بھائی کی بہت سی خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے دوست احباب کو یاد کرتے رہتے ہیں اور صارفیت کے اس دور میں یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اکثر خاص موقعوں بالخصوص تہواروں پر وہ فون ضرور کرتے، مجھے

بے حد خوشی ہوتی اور کبھی کبھار خفت بھی ہوتی کہ آیا میری بھی کوئی اخلاقی ذمہ داری ہے، ایک ہی ہاتھ سے تالی کب تک بجے گی مگر اسرار بھائی ان سب باتوں سے بے نیاز، ایک سرپرست کی حیثیت سے نہ صرف اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتے رہے بلکہ قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے۔ دراصل اسرار بھائی کی محبت غیر مشروط ہے وہ اس قسم کے معاملات میں شکایت کے قائل نہیں ہیں، سو اس طرح میں مسلسل ان سے رابطے میں رہا، چنانچہ اُن کی علمی و ادبی سرگرمیاں مستقل مجھے اپنے دائرۂ اثر میں لیے ہوئے ہیں اور میں ان سے تحریک حاصل کرتا رہتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دلوں میں بہت جلد گھر پیدا کر لیتے ہیں۔ انہوں نے خود اپنا ہی شعر اوڑھ لیا ہے؎

کام کچھ ایسا کریں ہر دل میں گھر پیدا کریں
اس عمل سے نام اپنا عمر بھر پیدا کریں

اسرار بھائی کا پہلا شعری مجموعہ ''لفظوں کی روشنی'' ۲۰۰۵ء میں منظر عام پر آیا تھا، جس روز مجھے یہ مجموعہ ڈاک سے موصول ہوا اسی روز مجھے سفر پر روانہ ہونا تھا لہٰذا میں نے اسے زادِ سفر کے طور پر بیگ میں رکھ لیا۔ ٹرین کے کمپارٹمنٹ میں لائٹ مدھم ہونے کے باوجود وہ رات ''لفظوں کی روشنی'' میں کٹی۔ اس مجموعے کے دو شعر اب بھی میرے حافظے میں محفوظ ہیں؎

گفتگو نرم کرو پھولوں کی مانند رہو
میٹھی بولی ہو تو پتھر بھی پگھل جاتے ہیں

☆

پیڑ سے ٹوٹ کے گرتے ہوئے پیلے پتے
آمدِ فصلِ بہاراں کا پتہ دیتے ہیں

ظاہر ہے کہ اشعار وہی یاد رہ جاتے ہیں جن میں ذہنوں کو مسحور کرنے اور سفر کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ مجھے اس مجموعہ میں ایسے کئی اشعار پڑھنے کو ملے جو ہماری یادداشت کا

مستقل حصہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پہلا شعر ایک پیغام ہے جو کسی سادھو سنت مہاتما کے دل کی صدا یا ''حضرتِ خضر کے ہونٹوں پہ نمودار ہوا'' معلوم ہوتا ہے جو دل سے نکل کر دل میں اثر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دوسرا شعر رجائی لہجے کی بہترین مثال ہے۔ اسرار بھائی کی لغت میں لفظ مایوسی معیوب ہے۔ وہ ہر حال میں پر امید رہنے کو ہی فلسفۂ حیات تصور کرتے ہیں۔ حالات سے گھبرانے کے بجائے حالات پر نظر رکھیں تو یقیناً منزل قدم چومے گی۔ پیڑ سے ٹوٹ کے گرتے ہوئے پیلے پتے ایک متحرک تصویر پیش کرتے ہیں، پت جھڑ میں پیلے پتوں کے گرنے کا منظر اور پھر اس کے بعد سونی شاخوں پر معصوم کونپلیں کی بہار کے تصور سے ہی دل جھوم اُٹھتا ہے۔

اسرار بھائی عصری حسیت کے رمز شناس ہیں، وہ تہذیبی قدروں کے زوال، ثقافتی افراط وتفریط، سماجی ناہمواریوں، سیاسی ریشہ دوانیوں، عدالتی ناانصافیوں اور حالات کی ستم ظریفیوں کو اپنے شعور کا حصہ بنا کر پوری سچائی اور شائستگی کے ساتھ الفاظ میں سمو دیتے ہیں، جن میں احتجاج کے پہلو بھی ہیں اور تعمیر کا جذبہ بھی

نئے دستور ہوتے جا رہے ہیں
پرانے دور ہوتے جا رہے ہیں

☆

زباں پہ دوستی اور دل میں دشمنی کا سفر
بڑا عجیب ہے دنیا میں آدمی کا سفر

☆

وقت ناسازگار لگتا ہے
عہد ناپائدار لگتا ہے

☆

منصفِ وقت بھی ہیں فرقہ پرستی کے شکار
آدمی دیکھ کے قانون بدل جاتے ہیں

موجودہ معاشرہ جس تیزی سے شکست وریخت کے عمل سے گزر رہا ہے، آمریت اور سیاسی جبر واستبداد کا جو کھیل کھیلا جا رہا ہے اس سے ہر ذی ہوش شخص انگشت بدنداں ہے، شاعر تو یوں بھی معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے وہ بھلا ان مسائل سے چشم پوشی کیسے کر سکتا ہے۔ اسرار بھائی بھی ایک حساس اور ذہین شاعر ہیں وہ اپنے گرد و پیش کی اشیاء اور ماحول کی ناہمواریوں کو شعری پیکر میں خوبصورتی کے ساتھ ڈھالنے کا ہنر جانتے ہیں، ان کے درج ذیل اشعار دیکھیں جو عصری آگہی کا اشاریہ بن گئے ہیں۔

کھو گئے آہ و بکا میں بہہ گئے اشکوں میں ہم
دیکھنے نکلے تھے دنیا میں کوئی مسرور ہے

☆

جن کی ماضی پہ نظر ہے وہ یہی کہتے ہیں
آدمی ہوگیا اس دور کا خوں خوار بہت

☆

جب بھی اخبار اٹھایا کوئی پڑھنے کے لیے
قتل و غارت کے نظر آئے سماچار بہت

☆

آمد فصل بہاراں پہ تعجب یوں ہے
پھول گلزار میں کم ، آئے نظر خار بہت

☆

تمام شہر کو بے رحم کیوں سمجھتے ہو
ابھی ہیں لوگ جو غم کی زباں سمجھتے ہیں

نئی غزل میں عموماً جمالیاتی اور رومانی موضوعات سے روگردانی کا رجحان پایا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ان موضوعات کو سلیقے اور شائستگی کے ساتھ شعر میں ڈھالا جائے تو شعر کی تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ خالص غزل کا شعر بن جاتا ہے کیوں کہ تمام تر

تبدیلیوں کے باوجود غزل کا بنیادی موضوع یہی رہا ہے، حالاں کہ غزل کے لیے موضوعات کی کوئی قید نہیں رہی بلکہ موضوعات کا تنوع ہی اس کی مقبولیت کا ایک بھید ہے لیکن رومانیت کی یہ کشش اور تاثیر انسانی فطرت کی ترجمانی کرتی ہے۔اسرار بھائی کی شاعری میں ایسے اشعار کی کمی نہیں جو شاعر کے رومانی و جمالیاتی شعور کی عکس ریزیوں کے باعث دامن دل کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔درج ذیل اشعار دیکھیں جو ان کے جمالیاتی شعور کا نچوڑ کہے جا سکتے ہیں۔

سرِ محفل تمہاری گفتگو ہے
فضا مہکی ہے خوشبو چار سو ہے

☆

عیاں ہو رہا ہے وہ چہرے سے ان کے
جو اسرار دل میں چھپائے ہوئے ہیں

☆

ترے غم کے صدقے کہ سارے غموں سے
مری جان پہچان سی ہو گئی ہے

آج کی غزل ثقیل الفاظ و تراکیب اور دوراز کار تشبیہات و استعارات کا بوجھ ڈھونے سے انکار کرتی ہے، اس سچائی سے روگردانی شاعر کی ناکامی کی ضامن ہے کیوں کہ اب نہ وہ قاری اور سامع رہے نہ وہ ادبی ماحول، اسرار بھائی نہایت سادہ و سلیس زبان میں برجستہ اشعار نکال لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ایک اوسط درجے کا قاری یا سامع بھی ان کے اشعار سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔اسرار بھائی کی شاعری قدیم و جدید شعری رجحانات، خارجی مشاہدات اور ذاتی تجربات کے امتزاج و توازن سے عبارت ہے۔انہوں نے کلاسیکی طرز کو ملحوظ رکھتے ہوئے جمالیاتی تسکین وانبساط کی کیفیت بھی پیدا کی ہے اور غزل کی نئی جہتوں اور نئی حسیت سے اپنی وابستگی کو شعری پیکر عطا کئے ہیں۔

میری گفتگو اسرار بھائی کی غزل تک ہی محدود رہی حالانکہ ان کی خدمات کا دائرہ

وسیع ہے۔انہوں نے نظمیں بھی لکھیں ہیں اور حمد و نعت و مناقب کا اچھا خاصا سرمایہ یادگار چھوڑا ہے۔نعتوں کا مجموعہ ''یا نبی'' اور مجموعۂ مناقب ''عقیدت کے چراغ'' بھی شائع ہو کر قبول عام کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔غزلوں کا دوسرا مجموعہ ''خیالوں کا سفر'' بھی منظر عام پر آ رہا ہے۔ملک کے نامور ادبا و شعرأ نے اسرار بھائی کے فن اور شخصیت پر اظہار خیال کیا ہے وہ بھی ترتیب پا کر ''دادِ سخن'' کی صورت میں اشاعت کے مرحلے میں ہے۔علاوہ ازیں کئی رسائل میں ان کی شخصیت اور فن پر گوشے شائع کر کے اسرار فہمی کی راہ ہموار کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے وہ لائق تحسین و ستائش بھی ہے اور اسرار نوازی کا ثبوت بھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر الف ناظم

اسسٹنٹ پروفیسر

گورنمنٹ ویمن پی.جی.کالج

رام پور۔

اسرار کی باتیں

میں نے ایک علمی، ادبی اور مذہبی رجحان والے گھرانے میں یکم اکتوبر 1956 کو آنکھ کھولی۔تعلیم کا آغاز خاندانی رواج کے مطابق پرائمری اسکول سے ہوا۔اردو اور فارسی کی تعلیم دادا مرحوم عبدالرسول خاں محوؔ سے حاصل کی۔ثانوی درجات کی تعلیم اسلامیہ انٹر کالج بریلی میں حاصل کی۔ایم۔اے۔اور ایل۔ایل۔بی کی ڈگری روہیل کھنڈ یونیورسٹی سے حاصل کی ہیں۔

میں نے جب شعور کی منزل میں قدم رکھا تو گھر میں ادبی فضا اور شاعرانہ ماحول پایا۔دادا مرحوم خاصہ شعری ذوق رکھتے تھے اور والد محترم مرحوم محمد جمیل خاں رضوی ایک اچھے نعت گو شاعر تھے اور ہر دو حضرات محکمہ بیسک تعلیم سے ہیڈ مدرس کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے گھر میں ادبی ماحول ہونے کے سبب ادبی رسائل بیسویں صدی۔نیا دور۔آجکل اور شمع وغیرہم مستقل آتے تھے، جو میرے مطالعہ میں رہے جس سے میرے ادبی ذوق نے جلا پائی۔

میرے ایل۔ایل۔بی کرنے کے زمانے میں بزم خاصانِ رضا پرتاپور چودھری کے زیر اہتمام نعت ومنقبت کی ماہانہ طرحی نشستیں منعقد ہوا کرتی تھی جن کی نظامت کے فرائض والدِ مرحوم ادا کرتے تھے اور میری شرکت ایک سامع کی حیثیت سے ہوا کرتی تھی۔یہ سلسلہ جب دراز ہوا تو میرا رجحان بھی شعر کہنے کی طرف مائل ہونے لگا۔ابتدا میں میری توجہ نعتیہ شاعری کی طرف ہوئی،غزل کی طرف بعد میں متوجہ ہوا۔

1990 میں بسلسلۂ معاش میں نے کنگھی ٹولہ بریلی میں سکونت اختیار کی۔اُس زمانے میں شہر میں بزمِ فکر وفن۔روہیلکھنڈ اردو اکادمی۔بزم رنگ ونور۔بزمِ خلوص جیسی

متعدد تنظیمیں شعر وادب کی آبیاری کر رہی تھیں اور مستقل طور پر ماہانہ نشستیں اور مشاعرے ہوا کرتے تھے جن میں شرکت کے مواقع دستیاب ہوئے۔یہاں مجھے ایسا ماحول ملا جو علم و ادب اور فنِ شاعری کی خوشبو سے معطر تھا۔اس شاعرانہ ماحول میں میرے شعری سفر کا باقاعدہ آغاز ہوا جو ہنوز جاری وساری ہے۔حد درجہ مصروفیات کے باوجود اللہ تعالیٰ نے میرے قلم کو وہ وسعت عطا کی کہ سال 2005 میں شعری مجموعہ ''لفظوں کی روشنی'' 2008 میں نعت شریف کا مجموعہ ''یا نبی'' 2015 میں مجموعۂ مناقب ''عقیدت کے چراغ'' 2017 میں گلدستۂ نعت اور 2019 میں زیر نظر مجموعۂ کلام ''خیالوں کا سفر'' منظر عام پر آئے۔

اپنے اجداد کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے میں نے محکمۂ بیسک تعلیم میں ۲۵ سال درس وتدریس کی خدمات انجام دی ہیں. 2018 میں سبکدوشی کے بعد وکالت کے پیشے سے وابستہ ہوں

میں ادبی گہوارہ ضلع سنبھل کی موجودہ ادبی شخصیات حضرت سلطان محمد خاں کلیمؔ سید حسین افسرؔ، مزمل خاں مزملؔ، ڈاکٹر شفیق برکاتی، ڈاکٹر منور تابشؔ اور ڈاکٹر طاہر رزاقی مرحوم وغیرہم کا مشکور ہوں کہ ان حضرات کے مسلسل تقاضے اور پذیرائی نے مجھے حوصلہ بخشا جس سے میری ادبی اور تقدیسی مطبوعات منظرِ عام پر آئیں۔

میں جناب سعید رحمانی مدیر ''ادبی محاذ'' کٹک اُڑیسہ اور جناب امتیاز احمد غازی فاونڈر ''سہ ماہی گفتگو'' الہ آباد کا بھی ممنون ہوں کہ اِن حضرات نے میری شعری اور ادبی خدمات کو سراہا اور ان خدمات کے اعتراف میں اسرارؔ نسیمی گوشہ نکال کر میرے حوصلے کو مزید استقامت بخشی۔

میں ایسوسی ایٹ پروفیسر الف ناظمؔ، انیسؔ میرٹھی، عقیلؔ نعمانی اور ڈاکٹر نازؔ پرتاپ گڑھی، ڈاکٹر جاوید نسیمی صاحبان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ اِن حضرات نے زیر نظر مجموعہ کلام پر اپنی گرانقدر آرا سے نوازا۔

شہر میں موجودہ وقت میں جو شعرائے کرام شعر و ادب کی خدمات انجام دے رہے ہیں، جن کے دم سے شعر و شاعری کا ماحول برقرار ہے ان میں مفتی صغیر اختر مصباحی، منتخب احمد خاں نورؔ، رئیس بریلوی، شکیل آثر نورانی، عبدالرؤف نشترؔ، شبابؔ کاس گنجوی، سعیدؔ بریلوی ثروت پرویزؔ، اسدؔ مینائی، شفیقؔ ایڈووکیٹ، عدیلؔ جعفری، ڈاکٹر محمد احمد خان امنؔ، صغیر احمد صغیر، اختر حسین اخترؔ، پرویز جوہرؔ، ڈاکٹر عدنان کاشفؔ اور حیاتؔ بریلوی وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔ میں اُن حضرات کا بھی ممنون ہوں جو ادبی محافل میں میرے کلام کی پذیرائی کرتے ہیں۔ وہ احباب جن کے نام دانستہ نادانستہ رہ گئے ہوں اور اُن کا تعاون میرے شاملِ حال رہا ہو اُن کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس مجموعۂ کلام کی ترتیب و تزئین میں بلال رازؔ نے بڑی محنت کی ہے اور اپنا قیمتی وقت دیا ہے میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔

☆☆☆

محمد اسرار خاں
اسرارؔ نسیمی

حمد باری تعالیٰ

چاند تاروں میں ترا ہی نور ہے
نور سے تیرے جہاں معمور ہے

ذرّے ذرّے سے عیاں ہے تیری ذات
ہر جگہ ہر شے میں تو مستور ہے

دیکھ کر تیری تجلّی کی جھلک
ہوش کھونے پر کوئی مجبور ہے

مالک و مختار ہے تو اے خدا
اور بندہ عاجز و مجبور ہے

ظاہر و باطن ازل سے تا ابد
اتنا ہی نزدیک جتنا دور ہے

کر سکے حمد و ثنا تیری رقم
خاک کے پتلے سے کب مقدور ہے

نام نامی تیرے اس محبوب کا
عرش پر لکھا بخطِ نور ہے

دل کی گہرائی سے اِس اسرارؔ کو
تیرا ہر اِک فیصلہ منظور ہے

☆☆☆

نعت شریف

نہیں جیسے کوئی مثل نبی اوّل سے آخر تک
نہیں ایسے کسی کے امتی اوّل سے آخر تک

بنا کر آپ کو محبوب اپنا حق تعالیٰ نے
فضیلت انبیا میں بخش دی اوّل سے آخر تک

خدا نے ذکرِ آقا کو بلندی وہ عطا کردی
ثنا ہوتی رہے گی آپ کی اوّل سے آخر تک

ہمیشہ بادشاہِ وقت بنتے اور بگڑتے ہیں
مگر سرکار کی ہے سروری اوّل سے آخر تک

ہراک انسان کی خاطر مکمل اک نمونہ ہے
محمد مصطفٰے کی زندگی اوّل سے آخر تک

ابو بکر و عمر عثمان و حیدر نے ہمیشہ کی
محمد مصطفٰے کی پیروی اوّل سے آخر تک

پڑھا الحمد سے والناس تک اسرار تب سمجھا
ہے قرآنِ مبیں مدحِ نبی اوّل سے آخر تک

☆☆☆

مرے سرکار کی راہوں میں جو کانٹے بچھاتے ہیں
برائے تعزیت سرکار اُن کے گھر بھی جاتے ہیں

زمیں پر ہم جب اُن کے ذکر کی محفل سجاتے ہیں
ملائک ہی نہیں سرکار بھی تشریف لاتے ہیں

کلیم اللہ جس کی اک جھلک سے ہوش کھو بیٹھے
حبیب اللہ بے پردہ اُسی سے ملنے جاتے ہیں

اُنہیں آواز بڑھ کر منزلِ مقصود دیتی ہے
جو اُن کے نقشِ پا کو رہنما اپنا بناتے ہیں

تقابل کیا مہ و خورشید کا نورِ مجسم سے
مہ و خورشید اُن کے نور کی خیرات پاتے ہیں

کبھی دونوں جہاں کو ملکیت اپنی نہیں کہتے
مگر سرکار کو دونوں جہاں اپنا بتاتے ہیں

ہوا اسرار ثابت اُستنِ حنّانہ سے یہ بھی
نبی کے ہجر میں بے جان بھی آنسو بہاتے ہیں

☆☆☆

غزلیات

سمندر سے کبھی چھوٹی ندی دیکھی نہیں جاتی
امیروں سے غریبوں کی خوشی دیکھی نہیں جاتی

تبسم لب پہ جب آیا رُلانے کو چلے آئے
غموں سے میرے ہونٹوں کی ہنسی دیکھی نہیں جاتی

ہمیشہ دیکھتا ہے عیب یہ اوروں کے ہی لیکن
کبھی انسان سے اپنی کمی دیکھی نہیں جاتی

جلایا جب کبھی ہم نے بجھانے کو چلی آئیں
ہواؤں سے دیئے کی روشنی دیکھی نہیں جاتی

نکل آتے ہیں آنسو آنکھ سے فرطِ مسرت میں
مری آنکھوں سے کیوں میری خوشی دیکھی نہیں جاتی

ابھی ہم ہیں اِدھر تنہا ابھی وہ ہیں اُدھر تنہا
ابھی اے چاند تیری چاندنی دیکھی نہیں جاتی

سماعت کو سخن فہموں کی اب اسرآر کیا کہیے
ترنم دیکھتے ہیں شاعری دیکھی نہیں جاتی

☆☆☆

میں بنوں کیوں ترا تو میرا سہارا تو نہیں
دِل سے مجبور ہوں ورنہ یہ گوارا تو نہیں

کہکشاں چاند ستارے یہ درخشاں عالم
اُس کے عکس رخِ زیبا کا نظارا تو نہیں

دل کی حالت کو مری دیکھ کے وہ چپ کیوں ہیں
خامشی اُن کی مرے درد کا یارا تو نہیں

یہ الگ بات ہے وہ میرے ہیں میں اُن کا ہوں
اُن کی مرضی پہ مگر میرا اجارا تو نہیں

یہ حقیقت ہے کیے فاقوں پہ فاقے لیکن
اُس نے دامانِ طلب اپنا پسارا تو نہیں

غیر تو غیر ہیں پھر اُن سے بھلا کیا ڈرنا
دیکھنا یہ ہے کوئی اِن میں ہمارا تو نہیں

سوچنا اچھا ہے ہر کام سے پہلے اسرارؔ
اِس کے کرنے میں ہمیں کوئی خسارا تو نہیں

☆☆☆

زباں پہ دوستی اور دِل میں دشمنی کا سفر
بڑا عجیب ہے دنیا میں آدمی کا سفر

کبھی خوشی کا کبھی ہے فسردگی کا سفر
عجیب حال میں گزرے ہے زندگی کا سفر

خودی کے زعم میں آ کر خدا کو بھول گیا
عبث ہے آدمی تیری یہ زندگی کا سفر

کبھی نہ اُس سے ملے تھے نہ تھی شناسائی
سکون بخش تھا لیکن اُس اجنبی کا سفر

جو مجھ کو دیتی ہے دنیا وہی میں لکھتا ہوں
مشاہدہ ہے مرا میری شاعری کا سفر

وہ مختصر ہو کہ مدّت طویل ہو اُس کی
کبھی بھی اچھا نہیں ہوتا دشمنی کا سفر

ڈرو نہ تیرگیٔ شب سے تم کبھی اسرارؔ
کہ رات میں ہے نہاں دن کی روشنی کا سفر

☆☆☆

خوشی کے دور میں جو غم تلاش کرتے ہیں
سدا بہار وہ موسم تلاش کرتے ہیں

یہ بات سچ ہے کہ غم سے ہے زندگی میں نکھار
اِسی کو لوگ بہت کم تلاش کرتے ہیں

مرے ارادوں نے منزل پہ مجھ کو پہنچایا
وہ بیٹھے عزمِ مصمّم تلاش کرتے ہیں

یہ اپنا اپنا مقدر ہے کیا گلہ اِس کا
انہیں خوشی تو ہمیں غم تلاش کرتے ہیں

نہ جانے کون سی منزل میں آ گئے دونوں
وہ ہم کو اور اُنہیں ہم تلاش کرتے ہیں

زمانے بھر کی ہے خوشیوں کو جستجو اُن کی
ہمیں جہاں کے سبھی غم تلاش کرتے ہیں

عجیب دور ہے اسرارؔ اپنے گھر میں بھی
سکوں جو بخشے وہ عالم تلاش کرتے ہیں

☆☆☆

کبھی افسوس بوڑھی ماں کو اس درجہ نہیں ہوتا
اگر دو بھائیوں میں گھر کا بٹوارا نہیں ہوتا

مصیبت کی گھڑی میں کون کس کے کام آتا ہے
اندھیرا ہو تو اپنے جسم کا سایہ نہیں ہوتا

خدا نے رنج و غم کے ساتھ تجھ کو صبر بخشا ہے
تری صورت سے تیرے غم کا اندازہ نہیں ہوتا

اُسے تو موت نے بیٹے کی بوڑھا کر دیا ورنہ
وہ انساں وقت سے پہلے کبھی بوڑھا نہیں ہوتا

کسی بھی شادمانی کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی
غموں سے زندگانی کا اگر رشتہ نہیں ہوتا

نہ ہوتے نصب راہوں میں اگر یہ میل کے پتھر
مسافر کو سفر کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا

سیاسی رہنما اسرارؔ گر اتنا نہ گر جاتے
ہمارے شہر میں ہر گز کوئی دنگا نہیں ہوتا

☆☆☆

ہم اپنے صبر کی عظمت بڑھائے جاتے ہیں
کہ غم ہیں دل میں مگر مسکرائے جاتے ہیں

وہیں پہ نوحوں کی آواز بھی سنی ہم نے
جہاں ترانے خوشی کے بجائے جاتے ہیں

جہاں پہ ہوتا ہے بربادیوں کا ذکر مری
وہیں پہ قصے تمہارے سنائے جاتے ہیں

جنھیں بھلانے کے بارے میں سوچتا ہوں وہی
بغیر یاد کیے یاد آئے جاتے ہیں

ہزار اُٹھیں یہ نفرت کی آندھیاں اسرارؔ
چراغِ عشق مگر ہم جلائے جاتے ہیں

☆☆☆

وہ لوگ جو حق گوئی کا فن چھوڑ رہے ہیں
وہ سلسلۂ رسمِ کہن چھوڑ رہے ہیں

تہذیب کے ماتھے پہ شکن چھوڑ رہے ہیں
جو پیار و محبت کا چلن چھوڑ رہے ہیں

اِس دورِ تعصب کا نتیجہ ہے کہ کچھ پھول
جو شانِ چمن تھے وہ چمن چھوڑ رہے ہیں

حق مار کے کچھ لوگ غریبوں کا دمِ مرگ
بچوں کے لیے آہ و گھٹن چھوڑ رہے ہیں

کیوں مغربی تہذیب کی تقلید میں انساں
اجداد کے تہذیب و چلن چھوڑ رہے ہیں

بہتان تراشی سے چلو ہٹ کے یہ سوچیں
کیوں لوگ شرافت کا چلن چھوڑ رہے ہیں

اسرارؔ اُنہیں مل نہیں سکتی کبھی منزل
غفلت میں جو منزل کی لگن چھوڑ رہے ہیں

☆☆☆

چلے بچ کر جو غم کی رہ گزر سے
گرادو اُس کو تم اپنی نظر سے

فقط مجھ کو ہی وہ پہچانتے ہیں
جو واقف ہیں مرے عیب و ہنر سے

قیامت ہے یہ اندازِ محبت
نہ دیکھا کیجئے نیچی نظر سے

نہ جانے کتنے افسانے بنے ہیں
ہماری داستانِ مختصر سے

مجھے اپنی نگاہوں سے گِرا کر
زمانہ گِر گیا میری نظر سے

فسانہ در فسانہ بن گیا ہے
مرا ہر اشک ڈھل کر چشم تر سے

ادھر اسرؔار مشتاقِ نظارہ
اُدھر بیزار وہ ذوقِ نظر سے

☆☆☆

لب و لہجے کو بازاری نہ کرنا
غزل کے ساتھ غدّاری نہ کرنا

محبت بھی عبادت کی طرح ہے
عبادت میں ریا کاری نہ کرنا

سدا تحریر میں محتاط رہنا
قلم کو اپنے بازاری نہ کرنا

اسی کو کہتے ہیں صبر و قناعت
کبھی اظہارِ ناداری نہ کرنا

زبانوں میں اثر ہوتا ہے ان کی
فقیروں کی دل آزاری نہ کرنا

جواں رکھنا ہمیشہ حوصلوں کو
عیاں اسرؔار لاچاری نہ کرنا

☆☆☆

اس لیے ہی مجھے اس شخص نے کم تر سمجھا
اُس کی اوقات سے میں نے اُسے بڑھ کر سمجھا

کبھی مینا کبھی شیشہ کبھی ساغر سمجھا
اُن کی آنکھوں کو نہ کیا کیا دلِ مضطر سمجھا

آستینوں میں اُنہیں کی ہمیں خنجر بھی ملے
ہم نے اخلاص و وفا کا جنہیں پیکر سمجھا

بھوک اور پیاس کی حالت میں بھی خودداروں نے
ہاتھ پھیلانے سے مرجانا ہی بہتر سمجھا

جب اُسے کھو دیا ہم نے تو یہ احساس ہوا
وہ تو اک ہیرا تھا ہم نے جسے پتھر سمجھا

کاش محفوظ رہے ذوقِ قناعت اپنا
ہم کو جو مِل گیا بس اُس کو مقدر سمجھا

مجھ کو اسرؔار ملی منزل مقصود تبھی
میں نے ہر گام پہ جب عقل کو رہبر سمجھا

☆☆☆

ان کی رہنمائی میں جب بھی ہم نکلتے ہیں
راستے کے کانٹے بھی ہم کو پھول لگتے ہیں

ہم کو دوریٔ منزل کا پتہ نہیں چلتا
تیری یاد لے کر ہم جب کبھی نکلتے ہیں

جانے کیا تعلق ہے غم سے میرے اشکوں کا
یہ چراغ ایسے ہیں بِن جلائے جلتے ہیں

دن بھی سال لگتے ہیں آپ کی جدائی میں
ڈھلتے ڈھلتے ڈھلتے ہیں کٹتے کٹتے کٹتے ہیں

میر کارواں چننا اب بہت ہی مشکل ہے
راہبر کے چولے میں راہزن نکلتے ہیں

میں نہ سمجھا یہ اسرؔار چلتے ہیں وہ رستوں پر
یا کہ راستے خود ہی اُن کے ساتھ چلتے ہیں

☆☆☆

اشک باری ہے آہ و زاری ہے
بس یہی داستاں ہماری ہے

دِل کے برعکس چلنا پڑتا ہے
نام اِس کا ہی دنیا داری ہے

دل میں غم تھے مگر لبوں پہ ہنسی
ہم نے یوں زندگی گزاری ہے

زیست کا فلسفہ وہ کیا سمجھے
آج جو زندگی سے عاری ہے

جو بھی جیسا ہے ویسا کہہ دینا
آئینے کی یہ ذمّہ داری ہے

یاد کرکے مری وفاؤں کو
آج اُن کو بھی شرمساری ہے

آج اپنوں کے طنز سے اسرار
جو لگی دل پہ ضرب کاری ہے

☆☆☆

جہاں میں صبر و استقلال کا چرچا نہیں ہوتا
زمینِ کربلا تجھ پر اگر سجدہ نہیں ہوتا

خطائیں کرکے جو انسان شرمندہ نہیں ہوتا
خدا کی رحمتوں سے اس کا کچھ رشتہ نہیں ہوتا

نکل آتے ہیں آنسو عید کے دِن ماں کی آنکھوں سے
جب اُس کے گھر میں دسترخوان پر بیٹا نہیں ہوتا

نہیں وہ رو برو ہوتے تو ہوتے ہیں تصور میں
میں تنہا ہو کے بھی ہرگز کبھی تنہا نہیں ہوتا

نہ کرتا دوستی کا ڈھونگ گر دشمن ہی تو رہتا
ہمیں افسوس تو ہوتا مگر اتنا نہیں ہوتا

سیاست میں رہے ایمانداری غیر ممکن ہے
سیاست کا کبھی ایمان سے رشتہ نہیں ہوتا

انہیں کو منزلیں اسرار آسانی سے ملتی ہیں
جنہیں پرخار راہوں کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا

☆☆☆

کرم بھی مستقل اُن کا نہیں ہے
کبھی ہوتا کبھی ہوتا نہیں ہے

یہ عالم ہے کہ اب فرقت کا لمحہ
کسی بھی حال میں کٹتا نہیں ہے

نہیں ہیں وہ تو ہے اُن کا تصور
کوئی لمحہ مرا تنہا نہیں ہے

محبت کا ہے بدلا بھی محبت
مگر اِس دور میں ایسا نہیں ہے

یقیناً عشق ایسا غم ہے جس کو
چھپائیں لاکھ پر چھپتا نہیں ہے

ہے خود سے بے خبر اسرؔار لیکن
بہ ایں عالم تمہیں بھولا نہیں ہے

☆☆☆

جو اَنا کے اسیر ملتے ہیں
وہ ہمیشہ حقیر ملتے ہیں

ہم تو دل سے امیر ہیں لیکن
لوگ دِل سے فقیر ملتے ہیں

دیکھتی ہے رہائی حسرت سے
جب تمہارے اسیر ملتے ہیں

ہاتھ آتی ہے اُن کو مایوسی
مجھ سے جب بے ضمیر ملتے ہیں

مبتلا جب مرض میں ہوتا ہے
بے تحاشہ مشیر ملتے ہیں

تیرہ بختوں کے گھر میں بھی اسرؔار
لوگ روشن ضمیر ملتے ہیں

☆☆☆

اشکوں سے اُن کی آنکھوں کو تر دیکھتے رہے
چہرے پہ اس کے غم کا اثر دیکھتے رہے

جلتا رہا مکان تعصب کی آگ میں
ہم دوستوں کا ظرفِ نظر دیکھتے رہے

دیکھا کبھی نہ اپنے گریباں میں جھانک کر
وہ خامیوں کو میری مگر دیکھتے رہے

کچھ نے سراہا بزم میں میرے کلام کو
کچھ لوگ صرف زیر و زبر دیکھتے رہے

سب قتل کے گواہ بیاں سے مُکر گئے
قاتل کے رعب کا یہ اثر دیکھتے رہے

کچھ نے سبق لیا جھکے پھل دار پیڑ سے
کچھ لوگ صرف اُس کے ثمر دیکھتے رہے

اسرارؔ اُن کی بدلی ہوئی ہر نگاہ کو
دیکھا نہ جا رہا تھا مگر دیکھتے رہے

☆☆☆

کبھی ایسی رواداری نہ کرنا
کسی کم ظرف سے یاری نہ کرنا

وہ جس سے نام رُسوا ہو وفا کا
کبھی ایسی وفاداری نہ کرنا

کبھی رُکتی نہیں یہ روکنے سے
نگاہوں کی نگہداری نہ کرنا

زبانِ میرؔ و غالبؔ مضمحل ہو
غزل میں وہ اداکاری نہ کرنا

علاج غم بنانا شاعری کو
کبھی تم اِس کو درباری نہ کرنا

کوئی اپنا ہو یا پھر ہو پرایا
کسی کے ساتھ غدّاری نہ کرنا

عمل کو فوقیت اسرارؔ دینا
عمل پر کوئی شے بھاری نہ کرنا

☆☆☆

سرِ محفل جو غیبت کر رہے ہیں
عمل اپنے وہ غارت کر رہے ہیں

بظاہر وہ نصیحت کر رہے ہیں
مگر مجھ سے محبت کر رہے ہیں

ادا کرتے نہیں ہیں جو ذکاتیں
امانت میں خیانت کر رہے ہیں

اُنہیں کچھ کام ہم سے آپڑا ہے
عنایت در عنایت کر رہے ہیں

عجب اسرآر ہیں وہ آدمی بھی
جو رُسوا آدمیت کر رہے ہیں

☆☆☆

مجھے خدارا نظر یوں نہ ڈال کر دیکھو
ہے دیکھنا تو ذرا دیکھ بھال کر دیکھو

ہمیشہ دوسروں کے عیب دیکھنے والو!
نگاہ اپنے گریباں میں ڈال کر دیکھو

یہ نسل نو ہے قناعت پسند کیا ہوگی
یقیں نہ آئے تو پتھر اُبال کر دیکھو

نشاط و عیش زمانے میں ڈھونڈنے والو
پرائے غم کبھی سینے میں پال کر دیکھو

غریب بچوں کو آپس میں کیوں لڑاتے ہو
ہوا میں ایسے نہ سکّے اچھال کر دیکھو

یہ کام چھوٹا سہی اجر میں بڑا ہے مگر
کسی کے پاوں سے کانٹا نکال کر دیکھو

تم اپنی زندگی اسرآر امتحاں کے لیے
نئے مزاج کے سانچے میں ڈھال کر دیکھو

☆☆☆

وہ جاوداں حیات کو اپنی بنا گیا
دیوانہ راہِ عشق میں جو کام آ گیا

یہ عشق اپنے آپ میں کچھ بھی سہی مگر
آنکھوں کو بولنے کا سلیقہ سکھا گیا

ماضی کے سب چراغ جلے دِل میں رات بھر
اُن کا خیال جب بھی سرِ شام آ گیا

ہنس ہنس کے غم چھپانے کی کوشش تو اس نے کی
لیکن جو دِل کا حال تھا چہرہ بتا گیا

ڈر اُس کو اپنے سائے سے لگنے لگا ہے اب
اِس درجہ حادثات سے وہ خوف کھا گیا

اسرؔار یہ وفاؤں کا انعام ہے ملا
الزام بے وفائی کا آنا تھا آ گیا

☆☆☆

سرِ محفل تمہاری گفتگو ہے
فضا مہکی ہے خوشبو چار سو ہے

نہیں ملتا کہیں جو ڈھونڈنے سے
مرے دِل کو اُسی کی آرزو ہے

کسی جانب نظر آئے نہ آئے
ہر اِک جانب مگر بس تو ہی تو ہے

یہ دیوانے تو دیوانے ہیں ان کو
کہاں دیر و حرم کی جستجو ہے

نکالیں تم نے کمیاں سب کی لیکن
اب آئینہ تمہارے روبرو ہے

تجھے دیدارِ جاناں کی ہے خواہش
نظر یہ تو بتا کیا با وضو ہے

گلہ تقدیر سے اسرؔار کیسا
جب اپنا نفس ہی اپنا عدو ہے

☆☆☆

اب تو ایسے سفیر ملتے ہیں
جن کے ہاتھوں میں تیر ملتے ہیں

ایک میں کیا غموں کی منزل میں
سیکڑوں راہ گیر ملتے ہیں

کچھ لکیروں کے ہیں فقیر مگر
کچھ حقیقی فقیر ملتے ہیں

قصر شاہی میں ڈھونڈنے والو
جھونپڑی میں امیر ملتے ہیں

بات کرتے ہیں قدّ و قامت کی
جب کبھی دو وزیر ملتے ہیں

میرؔ و غالبؔ اِدھر اُدھر اسرارؔ
سورؔ تلسیؔ کبیرؔ ملتے ہیں

☆☆☆

مستقل ہیں ملال کی باتیں
اِک دلِ پائمال کی باتیں

جو نہیں جانتے حلال ہے کیا
کرتے ہیں وہ حلال کی باتیں

آپ الفت کی بات کرتے ہیں
اب ہیں جنگ و جدال کی باتیں

یادیں ماضی کی دورِ حاضر میں
جیسے خواب و خیال کی باتیں

غم کے قصّے خوشی کے افسانے
انتظار و وصال کی باتیں

ساتھ اسرارؔ زندگانی کے
ہیں نشاط و ملال کی باتیں

☆☆☆

جو بچوں کی کفالت کر رہے ہیں
وہ گویا اِک عبادت کر رہے ہیں

شکایت پر شکایت کر رہے ہیں
عجب اظہارِ الفت کر رہے ہیں

عمل پیرا نہیں جس بات پر خود
وہ اوروں کو نصیحت کر رہے ہیں

یہ کیسا دورِ الفت ہے کہ دونوں
عجب محسوس لذّت کر رہے ہیں

دلوں پر عاشقوں کے حسن والے
ہمیشہ سے حکومت کر رہے ہیں

لٹیروں کی قیادت کرنے والے
بڑی اوچھی سیاست کر رہے ہیں

دیا جائے اُنہیں کیا نام اسرارؔ
وہ نفرت سے محبت کر رہے ہیں

☆☆☆

وقت ناسازگار لگتا ہے
عہد نا پائیدار لگتا ہے

ہونٹ اپنے جو کھولتا ہی نہیں
وہ بڑا رازدار لگتا ہے

میرے ساتھ اُن کا ہونا لوگوں کو
گل کے پہلو میں خار لگتا ہے

میرے ہمراہ جب وہ ہوتے ہیں
ہر سفر خوشگوار لگتا ہے

ان کے رخسار کا جواب نہیں
پھول بھی شرمسار لگتا ہے

اُن کے رخ پر شباب کا آنا
برسرِ اقتدار لگتا ہے

عالمِ انتظار میں اسرارؔ
ہر نفس دل پہ بار لگتا ہے

☆☆☆

حوادث کو جو ٹھکراتے رہیں گے
وہ اپنی منزلیں پاتے رہیں گے

نوازا ہے ہمیں کانٹوں سے جس نے
ہم اُس پر پھول برساتے رہیں گے

ہمارے کام تم آؤ نہ آؤ
تمہارے کام ہم آتے رہیں گے

جدائی میں تصور کی بدولت
مزہ قربت کا ہم پاتے رہیں گے

وفا کر کے ہر اک وعدے کو اپنے
وفا کا نام چمکاتے رہیں گے

اگر دل میں غلط فہمی رہے گی
تخیل تم کو بھٹکاتے رہیں گے

سمجھ جائے کبھی اسرآر شاید
دلِ ناداں کو سمجھاتے رہیں گے

☆☆☆

گمنامیوں کو اُس نے مری دور کر دیا
بدنام کر کے شہر میں مشہور کر دیا

ہر ایک جھوٹی بات پہ کرنا پڑا یقیں
جھوٹی قسم نے جب مجھے مجبور کر دیا

غیروں کی سازشیں تو مرا کچھ نہ کر سکیں
اپنوں کے ہی سلوک نے رنجور کر دیا

ہم کو تعلقات کے ہر اِک فریب نے
ترکِ تعلقات پہ مجبور کر دیا

اُس مہ جبیں نے آ کے سرِ بزم دوستو
محفل کے ہر چراغ کو بے نور کر دیا

اسرآر کیسا دورِ الم ناک ہے جہاں
حق بات کہنے والے کو منصور کر دیا

☆☆☆

ادا حق بندگی کا ہو گیا ہے
تہہِ خنجر جو سجدہ ہو گیا ہے

وفا جب اُس کا وعدہ ہو گیا ہے
مجھے اُس پر بھروسہ ہو گیا ہے

گرانی ہو گئی ہر شے پہ لیکن
لہو انساں کا سستا ہو گیا ہے

خدا کی راہ میں جو مر گیا تھا
وہ مردہ ہو کے زندہ ہو گیا ہے

وہ آئینہ تھا آئینہ رہے گا
بھلے ہی ریزہ ریزہ ہو گیا ہے

گلہ کیوں کر زمانے سے کریں ہم
جو قسمت میں لکھا تھا ہو گیا ہے

دلِ اسرآر میں اسرار تھا جو
وہ محفل میں خلاصہ ہو گیا ہے

☆☆☆

تنہا تمہارے جانے سے مت پوچھو کیا گیا
جب تم گئے حیات گئی حوصلہ گیا

سوچا تھا اُس کو دیکھ کے مل جائے گا سکوں
لیکن وہ آ کے اور تڑپ کو بڑھا گیا

آنسو کے چند قطرے بہا کر وہ بزم میں
ہر ایک کی نگاہ سے مجھ کو گرا گیا

یہ زندگی ہی کھا گئی خود میری زندگی
اور مارنے کا موت پہ الزام آ گیا

قاتل مٹاتا کیسے بھلا پاؤں کے نشاں
چالاک تو بہت تھا مگر مات کھا گیا

اسرآر اَپنی داستاں پُر درد تھی بہت
لیکن زمانہ اُس کو ہنسی میں اُڑا گیا

☆☆☆

روشنی کے ہونے پر تیرگی نہیں ہوتی
آگ اور پانی کی دوستی نہیں ہوتی

مستقل کرم فرما یہ خوشی نہیں ہوتی
آندھیوں چراغوں کی دوستی نہیں ہوتی

یہ بھی دورِ حاضر کی ہم پہ مہربانی ہے
پہلے جیسی چہروں پر اب ہنسی نہیں ہوتی

سر پہ چڑھ کے بولا ہے سچ ہمیشہ دنیا میں
جھوٹ میں مگر کوئی پختگی نہیں ہوتی

دِل میں شمع الفت کی جو جلا نہیں پاتا
اُس کی زندگی میں بھی روشنی نہیں ہوتی

لاشعور رہتا ہے وہ ہمیشہ دنیا میں
عقل جس میں ہوتی ہے آگہی نہیں ہوتی

وہ خفا سا رہتا ہے اپنی ذات سے اسرؔار
جس کے دل میں الفت کی چاشنی نہیں ہوتی

☆☆☆

مصائب میں مسرت کے عیاں آثار کرتی ہے
اشارہ جب کبھی الفت کا چشم یار کرتی ہے

ٹھہرتی ہی نہیں ان کی طبیعت ایک مرکز پر
کبھی اقرار کرتی ہے کبھی انکار کرتی ہے

کبھی آسان ہو جاتا ہے مشکل کام ہمت سے
کبھی پژمردگی آسان کو دُشوار کرتی ہے

نہاں ہوتا ہے منفی رُخ میں اُن کے صیغۂ مثبت
نظر اِقرار کی صورت میں جب انکار کرتی ہے

جب آتی ہے مجازی عشق سے عشق حقیقی میں
نظر چاروں طرف محبوب کا دیدار کرتی ہے

ہمیشہ وقت بھر دیتا ہے ایسے سارے زخموں کو
سِوا اُس زخم کے جو طنزیہ گفتار کرتی ہے

ہماری زندگی اسرؔار غم کی اور خوشیوں کی
کبھی یلغار کرتی ہے کبھی بوچھار کرتی ہے

☆☆☆

یہ الگ بات سب بتانا ہے
رازِ الفت مگر چھپانا ہے

ہر قدم سے قدم ملانا ہے
ایکتا کا دیا جلانا ہے

لوگ اُس کو سلام کرتے ہیں
جس کا ہر کام ظالمانا ہے

مجھ سے وہ پوچھتے ہیں وجہِ الم
جن کی فطرت میں بس رُلانا ہے

رُخ نہ کرنا ہے جامِ مے کی طرف
ظرف کو اپنے آزمانا ہے

وہ نہیں مانتا کہا میرا
ہر کہا جس کا میں نے مانا ہے

دینے والا تو ہے خدا اسرارؔ
آدمی تو فقط بہانا ہے

☆☆☆

جفاؤں پر وہ پچھتاتے رہیں گے.
وفاؤں پر ہم اِتراتے رہیں گے

بڑوں کے مشورے ٹھکرانے والے
ہمیشہ ٹھوکریں کھاتے رہیں گے

غزل ہم اپنا خونِ دل پلا کر
ترے دامن کو مہکاتے رہیں گے

عمل آجائے گا اک روز کھل کر
کہاں تک آپ بہکاتے رہیں گے

لپٹ کر روئے تھے وہ وقت رخصت
تو کیا ہم کو اُن کو یاد آتے رہیں گے

تقاضوں سے مرے اُن کو غرض کیا
وہ اپنا حکم فرماتے رہیں گے

دئے اسرارؔ پلکوں پر جلاکر
شبِ ہجراں کو چمکاتے رہیں گے

☆☆☆

کچھ ایسے لمحے بھی بہر تصورات چلے
ہم اُن کے ساتھ چلے وہ ہمارے ساتھ چلے

تمام دن مرا گزرے ہے یاد میں اُن کی
اور اُن کا ذکر چلے ہے تو ساری رات چلے

ہمارے نام پہ ہر سمت سے چلے پتھر
تمہارے نام گلوں کے مراسلات چلے

اگر وہ ٹھہریں تو صحرا بھی گلستاں سا لگے
چلیں تو ساتھ بہاروں کی اک برات چلے

کسی کا ساتھ زمانے میں کون دیتا ہے
وہ اپنا سایا ہے جو دھوپ میں بھی ساتھ چلے

تمہارے ساتھ تو خوشیوں کی کائنات چلی
ہمارے ساتھ فقط غم ہی تاحیات چلے

ہمیں یہ آخری ہچکی نے دی خبر اسرآر
تفکرات سے تم پا کے اب نجات چلے

☆☆☆

سب نے اُس کا تن دیکھا ہے
میں نے اس کا من دیکھا ہے

بھائی نے بھائی کی ضد میں
آنگن میں آنگن دیکھا ہے

باہر دیکھا شور شرابا
گھر میں سونا پن دیکھا ہے

پھول کہاں اپنی قسمت میں
بس کانٹوں کا بن دیکھا ہے

اِک دانی کے آگے اپنا
چھوٹا سا دامن دیکھا ہے

پھول کھلے ہیں دل میں اپنے
اس کا جب مسکن دیکھا ہے

وہ گھر میں اسرآر جب آئے
اپنا گھر روشن دیکھا ہے

☆☆☆

جو ادنیٰ تھا وہ اعلیٰ ہو گیا ہے
تھا کیا اور کیا زمانہ ہوگیا ہے

اُسے اتنا زمانے نے ستایا
کہ شبنم سے وہ شعلہ ہو گیا ہے

فزوں تر ہو رہی ہے تیری چاہت
جو قطرہ تھا وہ دریا ہو گیا ہے

مدد جو کر رہا تھا ہر کسی کی
وہ اپنے قد سے اونچا ہو گیا ہے

بھلایا تھا جسے اسرؔار اُس سے
تعلق اور گہرا ہو گیا ہے

☆☆☆

ذرا میں شعلہ ذرا میں ہیں شبنمی آنکھیں
نہ جانے روپ ہیں کتنے لئے تری آنکھیں

نہیں ہے واسطہ ہم کو شراب خانے سے
پلاتی رہتی ہیں مے اُن کی مد بھری آنکھیں

اَدا یہ اُن کی قیامت سے کم نہیں ہوتی
جھکی جھکی وہ نگاہیں وہ اَدھ کھلی آنکھیں

وہ بولتے ہیں تو کانوں میں رَس سا کھلتا ہے
وہ دیکھتے ہیں تو لگتی ہیں رس بھری آنکھیں

تمام رات ترے انتظار میں گزری
تمام رات رہیں منتظر تری آنکھیں

وہ بات کرتے ہیں آنکھوں سے جب کبھی اسرؔار
حسین اور بھی لگتی ہیں بولتی آنکھیں

☆☆☆

ہم اس منفی کو بھی مثبت کا صیغہ مان لیتے ہیں
یہ کیا کم ہے کہ وہ ہم کو پرایا مان لیتے ہیں

انہیں کو اپنی ڈھلتی عمر کا احساس ہوتا ہے
بڑھاپے میں جو بوڑھے خود کو بوڑھا مان لیتے ہیں

وہاں پر ذہن کے معیار میں کچھ تو کمی ہوگی
جہاں پر لوگ جھوٹے کو بھی سچا مان لیتے ہیں

تلاش و جستجو کے بعد جب منزل نہیں ملتی
تو مجبوری میں ہم قسمت کا لکھا مان لیتے ہیں

قناعت سے نوازا ہے جنہیں ربِّ دو عالم نے
اگر تھوڑا ہی مل جائے زیادہ مان لیتے ہیں

سفر میں ہم سفر سایہ کسی کا ساتھ دیتا ہے
مسافر کیوں بھلا خود کو اکیلا مان لیتے ہیں

عجب ہے فلسفہ اسرؔار یہ شہر محبت کا
جو دِل کو زخم دے اُس کو مسیحا مان لیتے ہیں
☆☆☆

محبت راہِ الفت سے ہمیں دوچار کرتی ہے
رہِ پُرخار کو بھی دوستو ہموار کرتی ہے

اگر ہو تنگ دستی دیکھتے ہیں سب حقارت سے
فراوانی ہو دولت کی تو دنیا پیار کرتی ہے

وہ آئیں گے تو کیا ہوگا، خبر جب ان کی آمد کی
معطر میرے گھر کے سب در و دیوار کرتی ہے

غرور و تمکنت کا نشہ رہتا ہے امیری میں
غریبی صبرو استقلال سے سرشار کرتی ہے

برائے زندگی اسرؔار ہم جو رزق کھاتے ہیں
ملاوٹ اب ہمیں اُس رزق کی بیمار کرتی ہے
☆☆☆

جو سمجھتے ہیں تیرے معانی غزل
وہ ترے اُن کی تو زندگانی غزل

غالبؔ و ذوقؔ تیرے پر ستار تھے
میرؔ نے کی تری میزبانی غزل

کہکشاں ،ماہ و انجم ،صبا، نغمگی
سب ملاکر بنی اک سہانی غزل

سب کے دل میں ہے تو سب کے گھر میں ہے تو
کر گئے تجھ کو آباد فانیؔ غزل

تذکرہ اُن کا اشعار میں جب کیا
ہوگئی اور بھی زعفرانی غزل

چاہے دنیا کے حالات کیسے رہے
تجھ کو ہر دم ملی کامرانی غزل

وہ بھی اسرار سن کر یہ کہنے لگے
دو دلوں کی ہے یہ اک کہانی غزل

☆☆☆

تم ہمیں دیکھ کر سنورتے ہو
کیا ہمیں آئینہ سمجھتے ہو

باتیں سب ہوش والی کرتے ہو
تم یہ کیسے نشے میں رہتے ہو

ویسے اُونچا سنائی دیتا ہے
اپنے مطلب کی خوب سنتے ہو

ایک مصرعہ تو کہہ نہیں سکتے
اور اعزاز کو مچلتے ہو

کیا مرے قتل کا ارادہ ہے
روز کیوں مسکرا کے ملتے ہو

ظرف کا سودا کر لیا ہے کیا
ہر کسی کا قصیدہ پڑھتے ہو

مشکلیں تم کو رہتی ہیں اسرارؔ
یا کہ تم مشکلوں میں رہتے ہو

☆☆☆

ہم نے وہ دشمن دیکھا ہے
جس میں اپنا پن دیکھا ہے

کانٹوں کی نگرانی میں ہی
پھولوں کا یوون دیکھا ہے

غیر وطن میں دشمن میں بھی
میں نے اپنا پن دیکھا ہے

جب نہ پپیہا کوئی بولا
حیرت میں ساون دیکھا ہے

سب کے عیب گنانے والے
کیا تو نے درپن دیکھا ہے

تیرے قدموں کی برکت سے
صحرا میں گلشن دیکھا ہے

یاد آئی اسرار اُسی کی
چاند کو جب روشن دیکھا ہے

☆☆☆

بہار آئی مہک آئی روشنی آئی
لپٹ کے پہلو سے ان کے ہر اک خوشی آئی

وہ جانِ نغمہ ہیں، جانِ غزل ہیں جان بہار
انہیں کو دیکھا ہے ہم نے تو شاعری آئی

ہمارے حالِ پریشاں پہ اُن کے ہونٹوں پر
بجائے جملۂ افسوس بس ہنسی آئی

خیال آیا کہ پہلے بھی اُن کو دیکھا ہے
ہمارے سامنے جب شکلِ اجنبی آئی

ہمارا چرب زبانی سے کام بن نہ سکا
ہمارے کام ہمیشہ ہی خامشی آئی

وہ مسکرا کے کبھی سامنے سے گزرے ہوں
ہمارے ساتھ یہ صورت کبھی کبھی آئی

غموں نے گھیرا ہے اسرارؔ چار جانب سے
ہمارے ہونٹوں پہ جس وقت بھی ہنسی آئی

☆☆☆

اعمال ہی بہتر ہیں نہ کچھ زادِ سفر ہے
اللہ ہماری تری رحمت پہ نظر ہے

یہ خوش ہے کبھی تو کبھی بادیدۂ تر ہے
انسان پہ یہ اُس کے مقدر کا اثر ہے

خودداری کا سودا نہ کیا ہے نہ کروں گا
یہ میرے بزرگوں کا مرے خوں میں اثر ہے

کل چلنا سکھایا تھا جسے اُنگلی پکڑ کر
کیا وقت ہے اب مجھ سے وہی سینہ سپر ہے

حصے میں اندھیرا ہے مرے تیرے اجالا
ہے شام مرے گھر میں ترے گھر میں سحر ہے

بے چین ہے کوئی تو کوئی محوِ غم و رنج
ہر شخص پریشان بہ الفاظِ دِگر ہے

اسرآر یہ بدلاؤ زمانے کا تو دیکھو
بھٹکا ہوا راہوں سے ہر اک فردِ بشر ہے

☆☆☆

زیادہ کو یہ کم ، کم کو زیادہ مان لیتے ہیں
حقیقت سے پرے کیوں لوگ اُلٹا مان لیتے ہیں

صداقت بے بسی پر اُس گھڑی آنسو بہاتی ہے
برے لوگوں کو جب بھی لوگ اچھا مان لیتے ہیں

حقیقت سے تو واقف ہیں مگر انجان بن بن کر
مری رودادِ غم کو وہ فسانہ مان لیتے ہیں

بڑے لوگوں میں ہوتی ہے دلیل اُن کے بڑے پن کی
کوئی اُن کو کہے چھوٹا تو چھوٹا مان لیتے ہیں

بفیضِ مصلحت یہ بھی ہوا کرتا ہے دنیا میں
کہ اِک قطرے کو اہلِ علم دریا مان لیتے ہیں

شکایت کرتے پھرتے ہیں مری سارے زمانے سے
گزارش میں کروں تو اُس کو شکوہ مان لیتے ہیں

سفر کے درمیاں اسرآر دھوکے وہ اُٹھاتے ہیں
کسی بھی اجنبی کو جو شناسا مان لیتے ہیں

☆☆☆

کوئی رستہ ہو جس سے اُن کے دیوانے نکلتے ہیں
حیات و موت کے اِس راہ میں معنی بدلتے ہیں

بہت مشکل ہے چلنا اور تصادم سے بچے رہنا
کہ اب تو بھیڑ میں انسان کو انساں کچلتے ہیں

عجب قانون ہے یہ تیرے میخانے کا اے ساقی
جنہیں پینا نہیں آتا انہیں کو جام ملتے ہیں

جدائی میں کسی کی دن بھی لگتے ہیں مہینوں سے
نہ وہ کاٹے سے کٹتے ہیں نہ وہ ڈھالے سے ڈھلتے ہیں

شبِ تنہائی میں جب ہم کو اُن کی یاد آتی ہے
اندھیرے شب کے فوراً نور کے سانچے میں ڈھلتے ہیں

نہیں ہے گردشِ دوراں ترا کچھ واسطہ مجھ سے
تجھے میں کیا بتاؤں کیوں مرے آنسو نکلتے ہیں

نکلتے ہیں جب اُن کی چاہ میں اسرؔار ہم گھر سے
وہ سایہ بن کے رستے میں ہمارے ساتھ چلتے ہیں

☆☆☆

جب بھی آتے ہیں وہ جانے کی سُنا دیتے ہیں
زخم بھی دیتے ہیں مرہم بھی لگا دیتے ہیں

پیڑ سے ٹوٹ کے گرتے ہوئے پیلے پتّے
آمدِ فصلِ بہاراں کا پتہ دیتے ہیں

سر بلندی کی طلب رہتی ہے عقبیٰ میں جنہیں
اپنی نظروں سے وہ دنیا کو گرا دیتے ہیں

بھولنے والے کو یہ بات نہیں ہے معلوم
دِل میں جو زخم ہیں وہ کس کو دُعا دیتے ہیں

دیکھ کر چھپنا کبھی دیکھنا چھپ چھپ کے کبھی
یہی انداز محبت کا پتہ دیتے ہیں

میں وفاؤں سے جفاؤں کا صلہ دیتا ہوں
وہ جفاؤں سے وفاؤں کا صلہ دیتے ہیں

اپنے کردار پہ ہے بننا بگڑنا اسرؔار
لوگ الزام زمانے کو لگا دیتے ہیں

☆☆☆

صاف ستھرے دل و نظر رکھئے
اپنی ہستی کو معتبر رکھئے

زندگانی سکوں سے گزرے گی
خواہشیں اپنی مختصر رکھئے

دوریاں منزلوں کی کم ہوں گی
حوصلہ شامل سفر رکھئے

زندگی تو امانتِ رب ہے
یہ امانت سنبھال کر رکھئے

انکساری ہے عظمتوں کی دلیل
خم ہمیشہ ہی اپنا سر رکھئے

آپ کو جو نظر میں رکھتے ہیں
اُن کی نظروں پہ بھی نظر رکھئے

یہ ہے اسرار سُنّتِ آقا
اپنے ہمسائے کی خبر رکھئے

☆☆☆

وعدہ کرتے ہو اور مُکرتے ہو
موسموں کی طرح بدلتے ہو

ہیں الگ دونوں ظاہر و باطن
تم یہ کیسا مزاج رکھتے ہو

لوگ مشکوک ہونے لگتے ہیں
گھر سے بے وقت کیوں نکلتے ہو

اندر اندر ہی کاٹتے ہو جڑیں
اور دم دوستی کا بھرتے ہو

کیا کسی سے تمہیں محبت ہے
ہر گھڑی کھوئے کھوئے رہتے ہو

اتنی مشکل یہ مشکلیں تو نہیں
جتنا مشکل اِنہیں سمجھتے ہو

کون ہے غیر کون اپنا ہے
تم یہ اسرار کب سمجھتے ہو

☆☆☆

اچھی بھلی حیات کو کیوں بے مزا کروں
ترکِ تعلقات کا کیوں فیصلہ کروں

انسان ہوں تو فرض بھی اپنے ادا کروں
اِس کا بھلا کروں کبھی اس کا بھلا کروں

ہو اتحاد قوم میں بیدار کس طرح
اس دردِ لا دوا کی میں کیسے دوا کروں

محفوظ رکھنا بادِ مخالف سے اے خدا
یادوں کا اُن کی جب بھی میں روشن دیا کروں

تو نے مجھے بھلادیا اچھا کیا مگر
میں اختیار کون سا اب راستہ کروں

اپنوں نے مل کے لوٹا ہے اسرارؔ جب مجھے
غیروں کا اعتبار کروں بھی تو کیا کروں

☆☆☆

وہ نہیں ہیں یاد اُن کی قلب میں مستور ہے
چاندنی ہے پاس میرے چاند کوسوں دور ہے

کیا بتاؤں پوچھنے والوں کو کیوں وہ دور ہے
بات تو کچھ بھی نہیں حالات سے مجبور ہے

کھو گئے آہ و بکا میں بہہ گئے اشکوں میں ہم
دیکھنے نکلے تھے دنیا میں کوئی مسرور ہے

ہجر کی یہ شب کٹے گی کیا پتہ کس حال میں
آج کے دن شام ہی سے دل مرا رنجور ہے

جانے کس منزل میں لے آئی تری الفت مجھے
دِل ہے کھویا کھویا سا جو چیز ہے بے نور ہے

عقل کی آواز پر لبیک کہہ دیتا مگر
اُن سے ہو ترکِ تعلق دل کو کب منظور ہے

دُو کنارے کس طرح اسرارؔ آپس میں ملیں
ہم ہیں خودداری پہ اپنی اور وہ مغرور ہے

☆☆☆

منزل ہے نگاہوں میں نہ ہی کوئی ڈگر ہے
پھر بھی ہر اک انساں یہاں مصروفِ سفر ہے

ٹھہرے گا بھلا کیسے وہ دشمن کے مقابل
وہ شخص جسے اپنی ہی پرچھائیں سے ڈر ہے

یہ سوچ کے کٹ جاتی ہے اپنی تو ہر اک رات
پردے میں نہاں رات کے آئندہ سحر ہے

پھر آئے ہیں تنہائی میں وہ آج مجھے یاد
پھر اور سِوا آج مرا دردِ جگر ہے

ظالم جو تری زیست میں یہ زیر و زبر ہیں
شاید کسی مظلوم کی آہوں کا اثر ہے

کیا جانئے کیا بات ہے اس دور میں اسرارؔ
ہر شخص کی اِس دور میں پیسے پہ نظر ہے

☆☆☆

مغل بادشاہوں کے محلوں کے پتھر اجنتا الورا گپھاوں کے پتھر
ہنر آزروں کا بتاتے ہیں اب بھی کئی خوبصورت نظاروں کے پتھر

حسینوں سے کہہ دو نہ پھینکا کریں وہ سرِ راہ اپنی اداؤں کے پتھر
وگرنہ ہر اک سمت سے اُن پہ عاشق چلائیں گے اپنی نگاہوں کے پتھر

جو کوشش سے اپنی نہیں رہتے غافل انہیں کے قدم چوم لیتی ہے منزل
اگر دل میں عزم و عمل کا ہو جذبہ تو ہو جاتے ہیں دور راہوں کے پتھر

گماں سے نکل کر حقیقت میں آ جا خیالات پاکیزہ رکھ اپنے ورنہ
تری ہستی مجروح کر دیں گے اک دن پراگندہ خواب و خیالوں کے پتھر

عمل یہ بظاہر تو لگتا ہے ادنیٰ مگر اجر کی رو سے یہ بھی ہے اعلیٰ
ہے وہ شخص بھی مستحق نیکیوں کا ہٹاتا ہے جو رہگزاروں کے پتھر

بزرگانِ دیں کی یہ آرام گاہیں یقیناً ہیں امن و سکوں کی پناہیں
تبھی تو عقیدت سے ہم چومتے ہیں بزرگانِ دیں کے مزاروں کے پتھر

کوئی میرا اپنا ہو یا ہو پرایا یہ اسرارؔ اب تک سمجھ میں نہ آیا
وفاؤں کے پھولوں کے بدلے میں مجھ کو ہمیشہ ملے کیوں جفاؤں کے پھر

☆☆☆

جینے سے شرمندہ ہوں
اب کے برس میں تنہا ہوں

میں میدانِ عقبیٰ ہوں
کہنے کو میں دنیا ہوں

صدیاں مجھ پر رشک کریں
میں اِک ایسا لمحہ ہوں

اُس کی نظر میں کچھ بھی نہیں
ویسے جانے کیا کیا ہوں

تم جو حسن کا دریا ہو
عشق کا میں بھی پیاسا ہوں

تیرے جیسا کوئی نہیں
گلیوں گلیوں گھوما ہوں

سُن لیتا ہوں مطلب کی
ورنہ گونگا بہرا ہوں

بعد حوادث کے اسرارؔ
گھر میں بھی میں تنہا ہوں

☆☆☆

جانے کیوں جانے پہچانے مجھ سے کتراتے ہیں لوگ
جانے کیوں بیگانے اکثر اپنے بن جاتے ہیں لوگ

وقت سے پہلے آنہیں سکتی موت کسی بھی صورت میں
شہر میں قاتل کے رہنے سے پھر کیوں گھبراتے ہیں لوگ

اپنے غم کا بوجھ اُٹھائے گلیوں گلیوں گھوما ہوں
دیکھنا یہ تھا کس کے غم میں کیسے کام آتے ہیں لوگ

کون کسی کے غم کھاتا ہے کون کسی کے کام آتا ہے
اپنے اپنے غم میں سارے آنسو برساتے ہیں لوگ

ذات پات اور بغض و نفرت کوئی نہیں آتا ہے آڑے
غیر وطن میں اپنے وطن کے جب بھی مل جاتے ہیں لوگ

کلجگ اِس کا نام ہے یارو اِس میں وفا کا نام نہ لو
آج وفا پر مرنے والے پاگل کہلاتے ہیں لوگ

دُنیا کے اِن لوگوں میں کچھ لوگ بھی ایسے ہیں اسرارؔ
جو لوگوں کے غم نہیں کھاتے اُن کے غم کھاتے ہیں لوگ

☆☆☆

اپنے اعمال پر نظر رکھئے
رابطہ دل سے عمر بھر رکھئے

اپنے باطن کی بھی خبر رکھئے
آئینہ سامنے اگر رکھئے

سنگ دل بھی پسیج جائیں گے
بات شیریں زبان پر رکھئے

پردہ پوشی کرے جو اوروں کی
خود میں ایسا بھی اک ہنر رکھئے

زندگی پائی جس کے صدقے میں
اُس کو دِل سے قریب تر رکھئے

شادمانی کا لطف پانے کو
قلب کو غم سے بہرہ ور رکھئے

یوں تو اسرآر کم نہیں دشمن
دوستوں پر مگر نظر رکھئے

☆☆☆

ہنس کے پوچھا یہ انہوں نے کہ شکایت کیا ہے
جیسے دریا کہے پیاسے سے ضرورت کیا ہے

لوگ ہر بات کا افسانہ بنا لیتے ہیں
یہ نہیں جانتا کوئی کہ حقیقت کیا ہے

گفتگو کرنے کا انداز بتا دیتا ہے
بولنے والے کی تہذیب و لیاقت کیا ہے

اپنے ماں باپ کو جس شخص نے دی ہو ایذا
اس کو اولاد سے ایذا ملے حیرت کیا ہے

جو سمجھدار ہیں فوراً وہ سمجھ لیتے ہیں
اُن پہ احباب کی بے وقت عنایت کیا ہے

جوش میں ہوش کا رہنا بھی ضروری ہے بہت
آپ کو طیش میں آنے کی ضرورت کیا ہے

عزم و اعمال پہ اسرآر یقیں ہے جن کو
اُن کو معلوم نہیں حرفِ شکایت کیا ہے

☆☆☆

لوگ دیوانے کو سمجھا نہیں پائیں گے مگر
بیڑیاں لائیں گے پہنا نہیں پائیں گے مگر

وادیٔ عشق و محبت میں بھٹکنے والے
ڈھونڈ کر دیکھ لیں رستہ نہیں پائیں گے مگر

زندگی ہے تو مرا قتل کرانے والے
لاکھ کوشش کریں کروا نہیں پائیں گے مگر

اُن کی زلفوں کی طرح خم ہیں جو قسمت میں انہیں
لاکھ سلجھایئے سلجھا نہیں پائیں گے مگر

یاد جب وعدہ دلایا تو وہ ہنس کر بولے
ہم کو آنا تھا ابھی آ نہیں پائیں گے مگر

ہم تو ہیں آپ کی ہر ایک اَدا سے واقف
خوب ترسایئے ترسا نہیں پائیں گے مگر

قلب میں رہتا ہے پوشیدہ جو اسرارؔ اُسے
لاکھ کھُلوائیں وہ کھلوا نہیں پائیں گے مگر

☆☆☆

فائدہ کیا ہے اگر کہہ لیے اشعار بہت
پُر ہوں مقصد سے تو اسرارؔ ہیں دو چار بہت

کون اپنا ہے پرایا ہے سمجھ میں آیا
مشکلوں میں مرے کام آئے جب اغیار بہت

عشق ہر دور میں رُسوا تو ہوا ہے لیکن
ہر زمانے میں رہے اِس کے پرستار بہت

مر گیا بھوک سے پر ہاتھ نہیں پھیلایا
میں سمجھتا ہوں وہ انسان تھا خوددار بہت

جس کے انکار میں اقرار چھپا ہوتا ہے
وہ کیا کرتا ہے انکار پہ انکار بہت

آمدِ فصل بہاراں پہ تعجب یوں ہے
پھول گلزار میں کم آئے نظر خار بہت

غم تو مانوس ہیں آتے ہی لپٹ جاتے ہیں
مجھ کو خوشیوں نے پریشاں کیا اسرارؔ بہت

☆☆☆

آدمی انسانیت سے آج کوسوں دور ہے
ہے خسارے میں مگر پھر بھی بہت مسرور ہے

یوں تو قادر دورِ حاضر کی ہر اک شے پر ہوئی
موت کے آگے مگر سائنس بھی مجبور ہے

زر پرستی تاجرِ شعر و سخن کا مشغلہ
اہلِ فن کا ساری دنیا میں الگ دستور ہے

حوصلہ سچ بولنے کا آج بھی رکھتا ہے جو
قابلِ تحسین ہے اس دور کا منصور ہے

ڈوبتے سورج کا منظر دیکھ لے اسرارؔ وہ
آج جو اپنی جوانی پر بہت مغرور ہے

☆☆☆

کسی پہ رعب جمانے سے فائدہ کیا ہے
دیا ہوا میں جلانے سے فائدہ کیا ہے

یہ ہم نے مانا کہ تم خوبیوں کے مالک ہو
مگر کسی کو جتانے سے فائدہ کیا ہے

جو بات ترکِ تعلق کا بن گئی ہے سبب
وہ بات سب کو بتانے سے فائدہ کیا ہے

دلوں کے حال کا چہرہ ہے خود میں آئینہ
دلوں کا حال چھپانے سے فائدہ کیا ہے

حدیثِ غم سے جہاں روشناس کوئی نہ ہو
فسانۂ غم کا سنانے سے فائدہ کیا ہے

کرے جو فاقوں پہ فاقہ تمہارا ہمسایہ
تمہارے ایسے خزانے سے فائدہ کیا ہے

وفا کا اُٹھ گیا اسرارؔ اس جہاں سے چلن
کسی کے ناز اُٹھانے سے فائدہ کیا ہے

☆☆☆

جو ہو شریکِ غم نہ کبھی دوستی کہاں
دُکھ درد جو نہ بانٹ سکے آدمی کہاں

رنج و الم سے ملتی ہیں تابانیاں اسے
رنج والم نہ جس میں ہوں وہ زندگی کہاں

یہ خیر و شر میں رکھتا نہیں کوئی امتیاز
وہ اور کوئی ہوگا بھلا آدمی کہاں

سورج کبھی چمکتا نہیں ایسا سوچ کر
تاریکیاں کہاں پہ ہیں اور روشنی کہاں

انساں نے خودنمائی کو اپنا لیا ہے آج
اے سادگی بتا تو ہمیں کھو گئی کہاں

ہم غم سے بے نیاز تھے اب غم ہیں چار سو
یہ زندگی کہاں سے چلی آگئی کہاں

اسرآر دورِ عصر ترقی کی دین ہے
چہرے پہ اب کسی کے حقیقی خوشی کہاں

☆☆☆

نئے دستور ہوتے جا رہے ہیں
پُرانے دُور ہوتے جا رہے ہیں

بہت سے لوگ دولت کے سہارے
بہت مشہور ہوتے جا رہے ہیں

جو کل مجبور کرتے تھے سبھی کو
وہ اب مجبور ہوتے جا رہے ہیں

حسد کی آگ میں جل جل کے حاسد
خوشی سے دور ہوتے جا رہے ہیں

جو زخم دل ملے فرقت میں تیری
وہ اب ناسور ہوتے جا رہے ہیں

گلے ملنے کی رسمیں بڑھ رہی ہیں
مگر دِل دور ہوتے جا رہے ہیں

ہمیں اسرآر وہ کیا دے سکیں گے
جو خود مجبور ہوتے جا رہے ہیں

☆☆☆

غموں میں بھی ہم مسکرائے ہوئے ہیں
دئے آندھیوں میں جلائے ہوئے ہیں

وہ اپنے جنھوں نے لیا قرض مجھ سے
تقاضا کیا تو پرائے ہوئے ہیں

تمہارے غموں کو امانت سمجھ کر
ابھی تک گلے سے لگائے ہوئے ہیں

ہمیشہ ہے عادت تری روٹھنے کی
تجھے زندگی آزمائے ہوئے ہیں

ہم اپنے غموں کو چھپانے کی خاطر
لبوں پہ تبسم سجائے ہوئے ہیں

تری انجمن اب ہے نزدیک شاید
قدم بِن پیے ڈگمگائے ہوئے ہیں

عیاں ہو رہا ہے وہ چہرے سے اُن کے
جو اسرآر دِل میں چھپائے ہوئے ہیں

☆☆☆

پہلے اس بات کو سوچو کہ محبت کیا ہے
بعد کو خود ہی سمجھ جاؤ گے نفرت کیا ہے

ہم نے دانستہ محبت کا کیا ہے آغاز
ہم سے مت پوچھئے انجام محبت کیا ہے

اچھے اچھوں کا تکبر سے ہوا سر نیچا
آپ کیا چیز ہیں اور آپ کی دولت کیا ہے

بند ہو جاتے ہیں استاد کے جب لطف و کرم
تب پتہ چلتا ہے شعروں کی حقیقت کیا ہے

ہم نے مانا کہ ہیں مجرم یہ ہماری آنکھیں
ہاں مگر آپ کے جلووں کی یہ دعوت کیا ہے

اہلِ حکمت تو ہیں اسرآر زمانے میں بہت
یہ کسی کو نہیں معلوم کہ حکمت کیا ہے

☆☆☆

جس کے کرم سے زندہ ہوں
اُس کو ہی میں بھولا ہوں

میں ظاہر میں قطرہ ہوں
باطن میں اک دریا ہوں

جس میں عقل بزرگوں کی
میں وہ چھوٹا بچہ ہوں

خونِ انساں ہوں لیکن
مہنگائی میں سستا ہوں

میرے لیے دنیا پاگل
پیسہ ہوں میں پیسہ ہوں

سونا چاندی ہوں لیکن
مزدوروں کا سپنا ہوں

ختم ہوا کرفیو اسرؔار
پھر بھی سہما سہما ہوں

☆☆☆

وہ شجر معتبر نہیں لگتا
جس میں کوئی ثمر نہیں لگتا

ہم سفر جس میں وہ نہیں ہوتے
خوشنما وہ سفر نہیں لگتا

اُن کا در دیکھنے کے بعد مجھے
کوئی در معتبر نہیں لگتا

جب وہ آنے کے بعد جاتے ہیں
گھر مرا اپنا گھر نہیں لگتا

جتنا میں کم نسب سے ڈرتا ہوں
اُتنا خنجر سے ڈر نہیں لگتا

اُس کو کس نام سے پکاروں میں
جو بشر ہے مگر نہیں لگتا

وہ ہے اسرؔار مکر میں ماہر
ہے تو بزدِل مگر نہیں لگتا

☆☆☆

اشعار میرے بولتی تصویر ہو گئے
جب تم ہمارے خواب کی تعبیر ہو گئے

شعلہ، چراغ، شبنم و موتی، مہ و نجوم
یہ سب تمہارے حسن کی تفسیر ہو گئے

منزل کی جستجو میں مرے عزم و حوصلے
مایوسیوں کی راہ میں تنویر ہو گئے

میرا نصیب رنج و الم حوصلے بنے
عیش و نشاط آپ کی تقدیر ہو گئے

تم نے جو لفظ پھینکے نگاہوں کو پھیر کر
کانوں میں میرے آتے ہی وہ تیر ہو گئے

تدبیر جب نہ چل سکی کوشش کے باوجود
مجبور ہو کے قائلِ تقدیر ہو گئے

اسرآر صرف اُس نے کہا تھا کہ کیسے ہو
دو لفظ دردِ ہجر میں اکسیر ہو گئے

☆☆☆

بُتوں سے دِل کو لگانے سے فائدہ کیا ہے
سکون و چین گنوانے سے فائدہ کیا ہے

وہ اپنے وعدے کو ہرگز وفا نہیں کرتا
دوبارا یاد دلانے سے فائدہ کیا ہے

کرو گے عشق حقیقی تو خود سمجھ لو گے
کہ سر کو اپنے جھکانے سے فائدہ کیا ہے

سلامتی کے ہو طالب تو پھر سلام کرو
وگرنہ سر کو جھکانے سے فائدہ کیا ہے

سبب جو ترکِ تعلق کا بن گئی اسرآر
وہ بات سب کو بتانے سے فائدہ کیا ہے

☆☆☆

خبر رکھتا نہیں جو گلستاں کی
اُسے ہے فکر میرے آشیاں کی

عنایت جب کسی نے ناگہاں کی
حقیقت کھُل گئی اپنے گماں کی

میں اُس کو چارہ گر کیسے سمجھ لوں
خبر جس کو نہیں دردِ نہاں کی

شراروں نے گلوں کا جامہ پہنا
خدایا خیر ہو اب گلستاں کی

امیرِ کارواں بس اُس کو سمجھو
جسے ہو فکر سارے کارواں کی

پُرانے راہزن ہیں ارتقا پر
قیادت کر رہے ہیں کارواں کی

یہاں اسرارؔ سب رہتے ہیں مل کر
یہ شہرت ہے مرے ہندوستاں کی

☆☆☆

وہ نظریں جو ہم سے چُرائے ہوئے ہیں
یقیناً کسی کے چڑھائے ہوئے ہیں

مخالف جنہیں آزماتا ہے ہم پر
ہُنر وہ ہمارے سکھائے ہوئے ہیں

چبھے ہیں جو الفاظ کے تیر دل میں
تمہاری زباں کے چلائے ہوئے ہیں

ہوس سے خدا ہم کو محفوظ رکھے
ابھی تک تو دامن بچائے ہوئے ہیں

جو محتاج ہیں دوسروں کے ادب میں
وہی ٹانگ اپنی اڑائے ہوئے ہیں

ہے اسرارؔ خوشبو سے گھر مہکا مہکا
تو کیا وہ مرے گھر میں آئے ہوئے ہیں

☆☆☆

تری دید کے علاوہ کوئی آرزو نہیں ہے
کہ مری نظر میں تجھ سا کوئی خوبرو نہیں ہے

تری یاد ہم سفر ہے مرے ساتھ ہر سفر میں
میں یہ بات کیسے کہہ دوں مرے ساتھ تو نہیں ہے

یہ ترا کرم کہ مجھ کو غمِ معتبر ملے ہیں
مرے دل کو اب خوشی کی کوئی آرزو نہیں ہے

میں غریب تو ہوں لیکن مری آبرو ہے قائم
ترے پاس مال و زر ہے مگر آبرو نہیں ہے

مجھے جو دیا ہے رب نے میں اُسی سے مطمئن ہوں
مجھے اور مال و زر کی کوئی جستجو نہیں ہے

ترے اس خیال نے ہی تجھے صفر کر کے چھوڑا
کوئی شخص علم و فن میں ترے روبرو نہیں ہے

ترے شہر سے میں اسرارؔ ابھی مطمئن نہیں ہوں
سبھی محوِ غم یہاں ہیں کوئی سرخ رو نہیں ہے

☆☆☆

عجیب کام تھا جو کام کر گیا کوئی
نظر مِلا کے جگر میں اُتر گیا کوئی

ہر ایک وعدہ سے اپنے مُکر گیا کوئی
دل و نگاہ سے میرے اُتر گیا کوئی

سنا کے درد بھری داستاں سلیقے سے
تمام بزم کی آنکھوں کو بھر گیا کوئی

جہاں میں اپنی حکایت کو زندہ چھوڑ گیا
یہ اور بات محبت میں مر گیا کوئی

کسی کے آنے کے بارے میں جب کسی نے سنا
کسی کے واسطے فوراً سنور گیا کوئی

کبھی کسی کو محبت سے زندگی دے دی
کبھی کسی کی محبت میں مر گیا کوئی

یہ ہوتا آیا ہے اسرارؔ ہر زمانے میں
بکھر گیا ہے کوئی تو سنور گیا کوئی

☆☆☆

کبھی بے کسی ہے کبھی بے بسی ہے
بتا زندگی کیا یہی زندگی ہے

یہ کیسی ہوائے مخالف چلی ہے
جو کل ہمنشیں تھا وہ اب اجنبی ہے

ترے غم کے صدقے کہ سارے غموں سے
مری جان پہچان سی ہو گئی ہے

نظر پھیر کر تو نے جو بات کہہ دی
سماعت سے ٹکرا کے خنجر بنی ہے

یہ سوچو کہ کیوں سب کے سب ہیں مخالف
تمہارے رویّہ میں کچھ تو کمی ہے

عجب بات ہے بر بنائے تعصب
ہمارے ہی سر ہر کہی ان کہی ہے

یہ اسرؔار غم سے بھری زندگانی
کہاں سے چلی اور کہاں آگئی ہے

☆☆☆

اب یہ حالات ہیں روزانہ ہمارے آگے
غم بھی آتے ہیں جداگانہ ہمارے آگے

گردشِ وقت سے کہہ دو کہ ابھی دور رہے
ہے ابھی جلوۂ جانانہ ہمارے آگے

تو اگر ہو تو یہ ویرانے بھی لگتے ہیں چمن
تیرے بن شہر بھی ویرانہ ہمارے آگے

ڈر ہے ساقی کی عنایت کا بھرم کھول نہ دے
رکھّا ہے خالی جو پیمانہ ہمارے آگے

یہ نہیں کہتا کہ دنیا میں نہیں ہے کوئی
اہلِ دِل کوئی بھی آیا نہ ہمارے آگے

کہہ دو زاہد سے کہ یہ وقت نصیحت کا نہیں
ہم ہیں میخانے میں پیمانہ ہمارے آگے

سیکڑوں آئے چلانے نہ چلا ہے اسرؔار
دعویٔ جرأت رندانہ ہمارے آگے

☆☆☆

غموں سے چور ہوتے جا رہے ہیں
سبھی رنجور ہوتے جا رہے ہیں

جو کل مجبور کرتے تھے سبھی کو
وہ اب مجبور ہوتے جا رہے ہیں

وفا ، اخلاص ، مہر و خلق ہم سے
دِنوں دِن دُور ہوتے جا رہے ہیں

تمہاری نرگسی آنکھوں کے صدقے
سبھی مخمور ہوتے جا رہے ہیں

ہمارے عزم سے ٹکرا کے پتھر
سراسر چور ہوتے جا رہے ہیں

نہیں یہ اُن کی فطرت حسن کی ہے
جو وہ مغرور ہوتے جا رہے ہیں

سبھی اسرآر اب اِک ایک کر کے
احبّا دور ہوتے جا رہے ہیں

☆☆☆

دل میں کینہ لیے احباب ہمارے نکلے
ایک دو تین نہیں سارے کے سارے نکلے

خود بخود ٹوٹ گیا دوریٔ منزل کا غرور
جب بھی ہم آپ کی یادوں کے سہارے نکلے

آ گئے روشنیِ عشق و وفا میں وہ بھی
آج تو اُن کی بھی آنکھوں سے ستارے نکلے

تجھ سے کیا واسطہ اے گردشِ دوراں تو جا
کیا بتائیں تجھے کیوں اشک ہمارے نکلے

یہ بھی سوچا ہے کبھی تو نے رُلانے والے
تیری آنکھوں سے اگر اشک ہمارے نکلے

حال کیا ہوگا گلستاں کا خدا خیر کرے
جامہ پہنے ہوئے پھولوں کے شرارے نکلے

وقت پڑنے پہ کوئی کام نہ آیا اسرآر
خودغرض دوست مرے سارے کے سارے نکلے

☆☆☆

پُر پیچ راستوں سے گزارے گی زندگی
یوں زندگی ہماری سدھارے گی زندگی

اس درجہ ہم کو ٹھوکریں مارے گی زندگی
پھر آخرش لحد میں اُتارے گی زندگی

رنج والم کی دھوپ کی شدت میں روز وشب
ہم کو تپا تپا کے نکھارے گی زندگی

بچپن سے چل کے دورِ بزرگی میں آ گئے
اب اور کتنی ٹھوکریں مارے گی زندگی

ہر روز ہنس کے کہتی ہے یہ زندگی سے موت
ہے جیتنا مجھے ہی تو ہارے گی زندگی

مجبور بے کسوں کے ذرا کام آیئے
دریائے رنج وغم سے ابھارے گی زندگی

اِس زندگی میں آئے گا اسرآر وہ بھی دن
خاموش ہم رہیں گے پکارے گی زندگی

☆☆☆

ہم مدد کے واسطے کیوں غیر کو دیکھا کریں
بہتے پانی کی طرح خود راستہ پیدا کریں

حسن کو سوچا کریں اور عشق کو سمجھا کریں
قربتوں میں فاصلوں کا ایسے اندازا کریں

دوسروں کے رُخ پہ جن کو داغ آتے ہیں نظر
اُن سے کہہ دو آئینے میں اپنا منھ دیکھا کریں

جن کو رہتی ہے شکایت پوچھتا کوئی نہیں
خوبیاں انسانیت کی خود میں وہ پیدا کریں

ہم شرافت کے پجاری ایسے بزدل بھی نہیں
آبرو پر حرف آئے اور ہم دیکھا کریں

دور ہو جائیں ہماری خامیاں سب خود بخود
ہم اگر خود اعتمادی کا ہنر پیدا کریں

ہو جنہیں اسرآر خواہش منزلِ مقصود کی
گھر سے وہ لے کر بزرگوں کی دعا نکلا کریں

☆☆☆

کشمیر دیکھا مائلِ کشمیر ہوگئے
گجرات جا کے رنج کی تصویر ہوگئے

رکھتے ہیں زندگی کے سبھی نقش جوڑ کر
یہ دِل ہمارے یادوں کی زنجیر ہو گئے

عشق ووفا کے نام سے منسوب جو ہوئے
وہ سچے واقعات جہانگیر ہو گئے

قسمت ہے اپنی اپنی بھلا اِس کا کیا گلہ
خوشیاں تمہاری، غم مری جاگیر ہو گئے

ظلم وستم کے بعد بھی وہ پارسا رہا
ہم صبر میں بھی لائقِ تعزیر ہوگئے

سوچوں کا سلسلہ بڑھا اسرؔار رات دن
جب ہم اسیرِ زلف گرہ گیر ہو گئے

☆☆☆

تھا دل میں عکس جس کا وہ چہرہ بدل گیا
پہچانتا نہیں ہے وہ ایسا بدل گیا

غم یہ نہیں کہ اُن کا رویّہ بدل گیا
بس یہ گلا ہے چاہنے والا بدل گیا

ترکِ تعلقات کا تھا دِل میں فیصلہ
اُن سے نظر ملی تو ارادہ بدل گیا

پتھر کو بھی گہر یہاں کہنے لگے ہیں لوگ
اب فن کو تولنے کا طریقہ بدل گیا

اک ماں کی شخصیت ہے جو بدلی نہیں کبھی
بھائی بدل گیا کبھی بیٹا بدل گیا

مال ومتاع جب سے ہوئے اُس پہ مہرباں
اب اُس کے بات کرنے کا لہجہ بدل گیا

آنکھوں میں رقص کرتی ہے تصویر شہر کی
اسرؔار جب سے ملک کا نقشہ بدل گیا

☆☆☆

ترقیوں کے دور میں زوال کیسے آ گیا
مسرتوں کے درمیاں ملال کیسے آ گیا

جدائی میں یہ لمحۂ وصال کیسے آ گیا
اُنہیں مری حیات کا خیال کیسے آ گیا

تو اپنے دل کی بات کو چھپانے والے یہ بتا
یہ تیرے رخ پہ تیرے دِل کا حال کیسے آ گیا

کسی نے کیا تمہاری دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا
تمہارے سرد خون میں اُبال کیسے آ گیا

وہ جب بھی آئے بزم میں تو اہل بزم کہہ اُٹھے
زمیں پہ آسمان سے ہلال کیسے آ گیا

میں اُن سے دور ہو گیا وہ مجھ سے دور ہو گئے
یہ سوچتا ہوں آئینے میں بال کیسے آ گیا

☆☆☆

بہت قریب سے ہنس کر گزر گیا کوئی
اسے خبر بھی نہیں ہے کہ مر گیا کوئی

اب اور رنگ کوئی جس پہ چڑھ نہیں سکتا
وہ رنگ ذہن کے خاکے میں بھر گیا کوئی

بس اک نظر میں مجھے زندگی عطا کر کے
یہ کون جانے کہ آ کر کدھر گیا کوئی

جب اس کے سب کے سب احساس ہو گئے زخمی
مثال آئینہ گر کر بکھر گیا کوئی

پکارتی ہی رہی اس کو یہ شب فرقت
تمام کر کے جب اپنا سفر گیا کوئی

کسی کی زندگی اسرارؔ چھاؤں میں گزری
غموں کی دھوپ میں بے موت مر گیا کوئی

☆☆☆

حلال رزق کمانا کمال ہوتا ہے
پھر اُس کے بعد کھلانا کمال ہوتا ہے

خود اپنے صدمے اُٹھاتا ہے ہر کوئی لیکن
پرائے صدمے اُٹھانا کمال ہوتا ہے

ہنر کسی کے بتانا ہے اچھی بات مگر
کسی کے عیب چھپانا کمال ہوتا ہے

کسی کی راہ پہ چلنا روش ہے دنیا کی
خود اپنی راہ بنانا کمال ہوتا ہے

خوشی کے وقت ہنسانا تو سب کو آتا ہے
غموں کے بیچ ہنسانا کمال ہوتا ہے

کوئی کمال نہیں روٹھنا ترا ہرگز
ہمارا تجھ کو منانا کمال ہوتا ہے

ہر ایک کرتا ہے وعدہ جہان میں اسرؔار
ہر ایک وعدہ نبھانا کمال ہوتا ہے

☆☆☆

عبادت سے خالی اگر زندگی ہے
تو عقبیٰ میں سوچو یہ کس کام کی ہے

پشیمان خود آدمیّت ہے اس سے
عجب آج کے دور کا آدمی ہے

حکومت ہمیشہ ہماری بدولت
کسی سے چھنی ہے کسی کو ملی ہے

اُدھر کو پہنچ جائیں باتیں اِدھر کی
تو سمجھو یہ کم ظرف کی مخبری ہے

بظاہر وہ کچھ تھے بباطن وہ کچھ تھے
پڑا واسطہ تب حقیقت کھلی ہے

یہ دنیا بھی اسرؔار ہے ایسی دنیا
سبھی کو یہاں اپنی اپنی پڑی ہے

☆☆☆

انتہا جب غم کی ہوگی تو خوشی مل جائے گی
تیرگی کے بعد تم کو روشنی مل جائے گی

غور سے آئینۂ ہستی کو اپنی دیکھئے
اپنے اندر آپ کو اپنی کمی مل جائے گی

اُن سے کہہ دو آگہی کی جن کو رہتی ہے تلاش
ٹھوکریں کھا کھا کے تم کو آگہی مل جائے گی

ایک چہرے میں چھپا مل جائے گا چہرہ اک اور
دوستی کے پیچھے تم کو دشمنی مل جائے گی

یہ بھی کیا کم ہے ہماری آنے والی نسل کو
ہم نہیں لیکن ہماری شاعری مل جائے گی

آج کا یہ دور جب پانی کا زور و شور ہے
اِن دنوں بھی آپ کو پیاسی ندی مل جائے گی

محفل احباب میں اسرؔار ذکر خیر سے
مرنے والوں کو دوبارہ زندگی مل جائے گی

☆☆☆

اپنی تہذیب کی یہ رسم نبھائیں کیسے
دل تو ملتے ہی نہیں ہاتھ ملائیں کیسے

ناز در ناز رفیقوں کے اُٹھائیں کیسے
بے سبب روٹھنے والوں کا منائیں کیسے

وقتِ پرسش ہمیں اے زخم دکھانے والو
اپنی رودادِ الم تم کو سنائیں کیسے

لب ہوں خاموش تو دیتی ہیں گواہی آنکھیں
زخمِ دل اپنے زمانے سے چھپائیں کیسے

دل میں جو زخم ہیں وہ کس کو دعا دیتے ہیں
بھولنے والے کو یہ بات بتائیں کیسے

بعد کوشش کے بھی تنہائی میں جو کہہ نہ سکے
ان کو وہ بات سر عام بتائیں کیسے

پیار خوشبو کی طرح اپنا پتہ دیتا ہے
ساری دنیا سے یہ اسرؔار چھپائیں کیسے

☆☆☆

اشک جو میرے نکل کر سر مژگاں ٹھہرے
وہ وفا کے مری شاہد شب ہجراں ٹھہرے

جس طرح چاند ستاروں میں درخشاں ٹھہرے
ایسے وہ بزم حسینا ں میں نمایاں ٹھہرے

اضطراب اور بڑھا جب بھی گئے وہ آ کر
کیسے کہہ دوں وہ مرے درد کا درماں ٹھہرے

اُن کے دیوانوں کا کوئی بھی نہیں ہے موسم
بیچ گلشن نہ کبھی دشت و بیاباں ٹھہرے

جام بھی ہاتھ میں لینے کا نہیں جن کو شعور
تیرے میخوار وہی ساقیٔ دوراں ٹھہرے

ہم نے ہر دور کے انساں کو دیا درسِ حیات
ہم ہی تاریخ کے اوراق کا عنواں ٹھہرے

راہ میں جن کی سدا پھول بچھائے اسرارؔ
اب انہیں کے لیے ہم خارِ مغیلاں ٹھہرے

☆☆☆

سردی میں غمزدہ تھی ندی جو جماؤ پر
خورشید کے کرم سے ہے وہ پھر بہاؤ پر

ہونے دو نفرتوں کا ہے دریا چڑھاؤ پر
ہم لوگ ہیں سوار محبت کی ناؤ پر

دردِ غمِ فراق میں پرسش تو درکنار
لوگ آ گئے چھڑکنے نمک دل کے گھاؤ پر

تحریک کیسے دے گی وہ ہم کو پیامِ امن
بنیاد ہی ہو جس کی فقط بھید بھاؤ پر

ہر شخص اپنے طور پر جیتا ہے زندگی
کیوں معترض ہیں لوگ مرے رکھ رکھاؤ پر

سنتے ہیں یہ حیات نکھرتی ہے اُس قدر
تپتی ہے جس قدر یہ غموں کے الاؤ پر

اسرارؔ جس سے سارے مذاہب ہو متفق
لائے گی کب حیات ہمیں اس پڑاؤ پر

☆☆☆

یہ مانا شاعری پیاری بہت ہے
مگر اِس فن میں دشواری بہت ہے

جو شاعر آج درباری بہت ہے
اسی کی ناز برداری بہت ہے

غرور و تمکنت تم کو مبارک
مجھے تو عاجزی پیاری بہت ہے

ستائش اُن کی ناممکن ہے مجھ سے
رگوں میں جن کے غدّاری بہت ہے

پرائے دے رہے ہیں پیار مجھ کو
مگر اپنوں میں بیزاری بہت ہے

اُسے بھی پارسائی کا ہے دعویٰ
جس انساں میں ریاکاری بہت ہے

یہ ہے اسرؔار دورِ بے ضمیری
یہاں تھوڑی بھی خودداری بہت ہے

☆☆☆

زخمِ دل سب کو دکھانے کی ضرورت کیا ہے
اپنا معیار گرانے کی ضرورت کیا ہے

مختصر بات بڑھانے کی ضرورت کیا ہے
بے سبب خون جلانے کی ضرورت کیا ہے

آپ احسان کریں بھی تو کریں چپکے سے
ساری دنیا کو جتانے کی ضرورت کیا ہے

تم نظر سے بھی گراؤ گے تو مر جاؤں گا
تم کو تلوار اُٹھانے کی ضرورت کیا ہے

یوں نہ بے پردہ کرو اپنی وفا کو اے دوست
رازِ دل سب کو بتانے کی ضرورت کیا ہے

آئنہ تجھ کو جو دیکھے گا تو بجھ جائے گا
تجھ کو آئینہ اُٹھانے کی ضرورت کیا ہے

کیا ہے سچ کیا ہے غلط یہ بھی تو سوچو اسرؔار
ہر جگہ ہاتھ اُٹھانے کی ضرورت کیا ہے

☆☆☆

میری جانب سے جب مسکرا کر گئے
وہ ملاقات کا سلسلہ کر گئے
جاتے جاتے کسی کا بھلا کر گئے
لوگ یوں بھی فرائض ادا کر گئے
غم کے مارے ہوئے جس جگہ بھی ملے
حوصلہ ضبطِ غم کا عطا کر گئے
جس کو کرنے سے ڈرتے رہے راہزن
کام وہ آج کے رہنما کر گئے
ذہن کی بات ہم نے نہ مانی کبھی
دل نے جو کچھ بھی ہم سے کہا کر گئے
جاوداں زندگی بس انہیں کو ملی
جان اپنی جو حق پر فدا کر گئے
مجھ کو شاباشیاں دے کے میرے بڑے
میرے دل کو عطا حوصلہ کر گئے
والدہ کی نصیحت سے سچ بول کر
ڈاکوؤں کو بھی وہ کیا سے کیا کر گئے
جس طرف سے بھی گزرے ہیں اسرآر وہ
خوشبوؤں سے معطر فضا کر گئے

☆☆☆

منزلِ الفت میں ہنس کر سر کٹا دیتا ہے کون
زندگی جینے کا ہم کو حوصلہ دیتا ہے کون

منزلِ مقصود پائی عزم راسخ نے مرے
اتنی آسانی سے ورنہ راستہ دیتا ہے کون

کون پھیلاتا ہے آخر بھائیوں میں دشمنی
چاہتوں کے درمیاں دیوار اٹھا دیتا ہے کون

ہم وفا جو ہیں ہمیں یہ سوچنے سے کیا غرض
اِس زمانے میں وفاؤں کا صلہ دیتا ہے کون

کس کی یادوں سے سکونِ دل میسر ہے ہمیں
ہجر میں امّید کی شمعیں جلا دیتا ہے کون

یہ تو مانا آپ نے مجھ کو بھلایا ہے مگر
مدتوں کی دوستی کو یوں بھلا دیتا ہے کون

اُن سے تو بچھڑے ہوئے مدت ہوئی اسرآر پھر
دل کی چوکھٹ پر مجھے آ کر صدا دیتا ہے کون

☆☆☆

دَورِ حاضر کے یہ سب کرم ہیں
ایک دل ہے مرا لاکھ غم ہیں

شدّتِ غم سے گھبرا گیا ہوں
میری پلکیں کئی دن سے نم ہیں

آپ کو خوب موقع ملا ہے
جتنے ڈھائیں ستم آج کم ہیں

اے جفا کرنے والو یہ دیکھو
ہم وفاؤں پہ ثابت قدم ہیں

جن پہ انسانیت رُو رہی ہے
آج کل وہ تمہارے ستم ہیں

کس طرح اعتبار آئے ہم کو
اُس کی ہر بات میں پیچ وخم ہیں

جائیں تو وہ کدھر جائیں اسرار
جن کی راہوں میں دیر و حرم ہیں

☆☆☆

جہاں میں زندگی کا راز ہم نے اس قدر جانا
غموں کی دھوپ میں دن رات تپنا اور نکھر جانا

کبھی شبنم کے آنسو اور کبھی رقصِ شرر جانا
انہیں دو منزلوں سے زندگی کو عمر بھر جانا

سکونِ مستقل جب موت کی آغوش میں پایا
ہوا ثابت دَوا ہے دَرد کا حد سے گزر جانا

کلی کو پھول بننے کا حسیں انداز دیتا ہے
وہ ہنس ہنس کر چمن کے پاس سے ان کا گزر جانا

ملے جس سے تمہاری روح کو تسکین بعدِ مرگ
تم اپنی زندگی میں ایسا کوئی کام کر جانا

یہی حقانیت کی ہے دلیل اس ربِّ اکبر کی
اُسے آنکھوں سے دیکھا ہی نہیں ہم نے مگر جانا

حقیقت زندگی کی ہم نے یہ اسرار سمجھی ہے
بگولے کی طرح کچھ دُور چلنا اور بکھر جانا

☆☆☆

کچھ ایسی روشنی ہے ان کے روئے انور میں
نہ ایسی روشنی دیکھی ہے ماہ و اختر میں

سمایا کیسا ہے سودا یہ اب مرے سر میں
کہ میرے عشق کے ہیں تذکرے ہر اک گھر میں

تلاش کرنے پہ بھی اہلِ زَر میں مل نہ سکی
جو ہم نے پائی ہے دریا دلی تونگر میں

نہ کوٹھیوں میں نہ بنگلوں میں وہ میسّر ہے
سکوں جو ملتا ہے غربت زدہ کو چھپّر میں

یہی میں سوچ کر کرتا ہوں مطمئن دل کو
وہی ہوا جو لکھا تھا مرے مقدّر میں

جو ہیں لٹیرے وہی ملک کے محافظ ہیں
اب امتیاز کہاں راہزن میں رہبر میں

مجھے اُٹھانا ہیں اسرؔار ہجر کے صدمے
اگر چہ تاب نہیں میرے قلبِ مضطر میں

☆☆☆

یوں گئے وقتِ مشکل بشر چھوڑ کر
جیسے گرتے ہیں پتّے شجر چھوڑ کر

روشنی چاند تاروں کی مدّھم ہوئی
رات رخصت ہوئی جب سحر چھوڑ کر

سر بلندی نہ تم پا سکو گے کبھی
اپنے اجداد کی رہ گزر چھوڑ کر

راستہ ہی مرا رہنما ہو گیا
چل دئے جب مجھے ہم سفر چھوڑ کر

سب یہ بولے کہ بوڑھے کی لاٹھی چھنی
باپ کو چل دیا جب پسر چھوڑ کر

اس میں ملتی ہے لوگوں کو اکثر خوشی
کچھ اِدھر چھوڑ کر کچھ اُدھر چھوڑ کر

کچھ نہ کچھ ہوں گی اسرؔار مجبوریاں
کون جاتا ہے یوں اپنا گھر چھوڑ کر

☆☆☆

منحرف دیدہ ور نہ ہو جائیں
خامیاں اس قدر نہ ہو جائیں

مجھ سے وہ بے خبر نہ ہوجائیں
تلخ شام و سحر نہ ہوجائیں

منزلوں کو میں اپنی پا نہ سکوں
وہ اگر ہمسفر نہ ہو جائیں

بے گناہی میں اُن کے سب الزام
ڈر ہے اَپنے ہی سر نہ ہوجائیں

دیکھ کر آپ کی یہ فتنہ گری
لوگ شوریدہ سر نہ ہوجائیں

ڈر ہے ان کو پناہ دینے سے
ہم کہیں در بدر نہ ہو جائیں

پھر ہرے اُن کے پیار سے اسرارؔ
میرے زخمِ جگر نہ ہو جائیں

☆☆☆

وفا کے شہر میں کوئی بھی غمگسار نہیں
کسے بتائیں ہم اپنا کوئی بھی یار نہیں

سب اپنے اپنے مفادات کی تلاش میں ہیں
کوئی کسی کا زمانے میں غمگسار نہیں

یہ بات سچ ہے کہ طاقت ہے عشق میں جتنی
جہاں میں کوئی بھی شے اتنی پائدار نہیں

یقین جس پہ کیا اُس نے ہی فریب دیا
کسی بھی شخص کا اب ہم کو اعتبار نہیں

وہ دردِ عشق کی لذّت کو کیا سمجھ پائے
جسے جہاں میں کسی سے بھی کوئی پیار نہیں

پریشاں دونوں ہیں ترکِ تعلقات کے بعد
اُدھر سکون نہیں ہے اِدھر قرار نہیں

نہ جانے آئی ہے اب کے یہ فصلِ گُل کیسی
چمن میں پہلی سی اب کے برس بہار نہیں

بہت ہیں یوں تو ہمیں اپنا کہنے والے مگر
حقیقتاً کوئی اپنا یہاں پہ یار نہیں

☆☆☆

حیات میری یونہی تو اب تک چمکتی آئی چمک رہی ہے
نہ دوستی کی شکر رہی ہے نہ دشمنی کا نمک رہی ہے

وہ میرے ہمراہ کیا ہوئے ہیں عجیب حالت ہے ہر قدم پر
بہت سی آنکھوں میں پھانس بن کر ہماری قربت کھٹک رہی ہے

چلے بھی آؤ ہوں ٹھنڈی آنکھیں سکوں میسّر ہو زندگی کا
نگاہِ مضطر ہر ایک جانب پئے زیارت بھٹک رہی ہے

میں اُن کی آمد کو کیا بتاؤں کہ کیسی خوشبو بکھیر دے گی
خیال آنے سے ان کا میری مشامِ جاں تک مہک رہی ہے

خلوصِ دل سے کوئی ملے تو ، خلوصِ دِل کے لیے ہمیشہ
ہماری فطرت میں تو جنم سے کمان جیسی لچک رہی ہے

اے دورِ حاضر کے رہنماؤ کرم سیاسی ہے یہ تمہارا
جو آگ باہم معاشرے میں فساد و شر کی بھڑک رہی ہے

یہ رات اور دن کا آنا جانا بتا رہا ہے ہمیں یہ اسرؔار
کہ عمر کم ہوتی جا رہی ہے حیات آگے کھسک رہی ہے

☆☆☆

زندگی میں جو بارِ گراں آ گئے
حوصلے کام میرے وہاں آ گئے

جب خدا نے کرم سے نوازا مجھے
سب ملانے مری ہاں میں ہاں آ گئے

جب غریبوں کی بستی جلائی گئی
کچھ امیروں کے بھی آشیاں آ گئے

کام مشکل میں جب آئے دشمن مرے
یاد مجھ کو مرے مہرباں آ گئے

جب انہوں نے سنا ہنسنے والے ہیں ہم
ہر طرف سے غمِ بیکراں آ گئے

اُن کو سارے زمانے کی خوشیاں ملیں
میرے حصے میں غم بیکراں آ گئے

زیست اسرؔار تیرے ملے ہی نہیں
ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم کہاں آ گئے

☆☆☆

KHAYALON KA SAFAR

by

Asrar Naseemi





عالمی شہرت یافتہ شاعر پروفیسر وسیم بریلوی اسرار نسیمی کو اعزاز دیتے ہوئے۔

ISBN 978-93-89358-84-1

978-93-89358-84-1

www.ephbooks.com

EDUCATIONAL
PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA